مکتوباتِ اختر بنام سید الطاف علی بریلوی ،
مرتبہ سید الطاف علی بریلوی

[قاضی احمد میاں اختر کے ۲۸ مکتوبات سید الطاف علی بریلوی کے نام ، مکتوب الیہ کی کتاب " راہی اور راہ نما " (۱۹۶۴ء) میں شامل ہیں - یہ قبلاً بطور اقتباس رسالہ مصنف علی گڑھ اور علی حالہٖ رسالہ العلم کراچی میں بھی شائع ہو چکے ہیں- لیکن " راہی اور راہ نما" میں من و عن شامل ہیں- محترم سید مصطفیٰ علی صاحب بریلوی کی اجازت سے ان ۲۸ مکتوبات کو کتاب " راہی اور راہ نما" سے اخذ کرکے ذیل میں درج کیا جاتا ہے-]

تصریحات از مکتوب الیہ:

○ قاضی صاحب کے سرمایہ ادب میں ان کے قلم برداشتہ لکھے ہوئے خطوط کو بے حد اہمیت حاصل ہے جن سے ان کی پرکار شخصیت جملہ اخلاقی و روحانی بلندیوں کے ساتھ اپنے حقیقی خدوخال میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے-

○ راقم (سید الطاف علی بریلوی) کے قاضی صاحب سے مراسلتی تعلقات کا سلسلہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۴ء سے شروع ہو کر تاریخِ انتقال سے ایک دن پہلے یعنی ۵- اگست ۱۹۵۵ء تک قائم رہا، لیکن سخت افسوس ہے کہ آج تلاش کرنے پر سب خطوط محفوظ نہ مل سکے - خصوصیت سے پرتگالی جزیرہ دیو کے زمانۂ قیام کے خطوط جن میں وہ اپنے نام کے بجائے " اسیرِ دیو" لکھا کرتے تھے ، قطعاً دستیاب نہ ہوئے- اس زمانے میں میرا قیام علی گڑھ ہی میں تھا---

○ کراچی پہنچ کر جولائی ۱۹۵۰ء تک جب کہ میں خود بھی یہاں نہ آگیا ، قاضی صاحب مجھے پابندی سے علی گڑھ خط لکھتے رہے- افسوس کہ یہ خطوط بھی سب کے سب دستیاب نہ ہو سکے ، خاص کر وہ خط جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ " کل تک جو لوگ میری آنکھیں دیکھتے تھے ، آج آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے " ، تلاشِ بسیار کے باوجود نہ مل سکا- بہرحال جس قدر جواہر پارے ہمدست ہو سکے ، نذرِ ناظرین کیے جاتے ہیں - آئندہ بھی جس طرح قاضی صاحب مرحوم کی یاد سے دل کبھی خالی نہ رہے گا ، ان کے ادبی شہ پاروں کی تلاش میں آنکھیں متجسس و نگراں رہیں گی-

(۱)

جوناگڑھ ، کاٹھیا واڑ

۲۸ اپریل سنہ ۱۹۴۲ء

مکرمی ! وعلیکم السلام

کرم نامہ مورخہ ۲۴ (اپریل) موصول ہوا - رسالۂ " مصنف " کے خریداروں میں میرا نام بھی درج کر لیں اور اس کا سالانہ چندہ ، پہلا نمبر بذریعہ وی پی بھیج کر وصول فرما لیں (۱) -

احقر:

قاضی احمد میاں اختر

(رئیس و صدرِ بلدیہ ، جوناگڑھ)

---

(۲)

قاضی واڑہ ، جوناگڑھ (کاٹھیا واڑ)

۳ مئی ۱۹۴۳ء

جناب محترم ! السلام علیکم

معاف فرمائیں- کرم نامہ مورخہ ۲ - اپریل کا جواب ایک ماہ کے بعد دے رہا ہوں ، کچھ ایسی ہی مصروفیتیں رہیں-

آپ کا رسالہ " مصنف " نہ صرف مجھے پسند ہے بلکہ ہر علم دوست کو پسند آنا چاہیے- میرے ہم وطن مولانا میمن (۲) میرے مخدوم اور دیرینہ کرم فرما ہیں - ان کی سند اعتبار پر جو " انکشاف " آپ کو ہوا ہے وہ تمام تر " عین الرضا " پر مبنی ہے- دولت علم و دین خدا نصیب کرے دولت دنیا سے بہرہ مندی بھی دوستوں کے حسن ظن تک " محدود " ہے- رہا " بڑا آدمی " ہونا تو یہ بھی میر نہیں- اعزہ و اقارب میں سب سے چھوٹا ، حلقۂ احباب میں سب سے کم عمر ، رستے میں اکثر اقران و اماثل سے کم تر اور علمی سرمایے کے لحاظ سے فروتر ، بقول متنبی :

کفی المرء نبلا ان تعد معائبہ

" معارف پروری " کی نہ استعداد ، نہ حوصلہ - جب تک " مصنف " جاری رہے ، آپ اس کو میرے نام جاری رکھیں ، مع اس اضافۂ قیمت کے جو کاغذ کی گرانی کے باعث آپ کرنا چاہیں-

احقر:

قاضی احمد میاں اختر

(۳)

جونا گڑھ

۱۰ جولائی ۱۹۴۴ء

سیدی المحترم - السلام علیکم

کرم نامہ دستیاب ہوا ، شکریہ ، " مصنف " نکالنے کی داد نہ دینے اور " متعدد خطوط " لکھنے پر ایک کا بھی جواب نہ ملنے کی شکایت سر آنکھوں پر ، لیکن اس مایوسانہ طرزِ تخاطب سے بہت متاثر ہوا جو اس " حادثۂ جانکاہ " (۳) کی غمازی کر رہا ہے جس کا ذکر آپ نے " ذکرِ ماضی " میں کیا ہے - خصوصاً اس " آخری سلام " پر تو میں چونک پڑا - خدا نہ کرے کہ یہ آپ کا آخری سلام ہو - آپ ایسے " علمی اور قومی دیوانے " کہاں ملتے ہیں-

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

ذرا اس " متعدد خطوط " کی تشریح بھی سن لیجیے - اب تک مجھے آپ کے صرف ۳ خطوط ملے ہیں جن میں سے پہلے خط کا جواب عرض کر چکا ہوں- دوسرے خط میں اسی مضمون کی تکرار تھی اس لیے انقضائے مدت کا منتظر رہا - تیسرے خط کا جواب حاضر ہے اس پر امتحان لینے ، انصاف نہ کرنے ، داد نہ دینے اور ہمت افزائی نہ کرنے کے چار چار سنگین الزامات عاید کیے گئے ہیں - ع

داورِ حشر ترے ہاتھ ہے عزت میری

کاش ان میں کوئی الزام صحیح ہوتا -

بڑا مزہ ہو جو محشر میں میں کروں شکوہ!
وہ منتوں سے کہیں چپ رہو خدا کے لیے

جو " مصنف " نکالنے کا سخت کام انجام دینے والے کی داد نہ دے ، بلکہ اس کا امتحان لے ، وہ مصنف کا صحیح قدردان کیسے ہو سکتا ہے ؟ جو انصاف اور ہمت افزائی نہ کرنے کا قصور وار ہو وہ قدر دانانِ مصنف کے زمرے میں کیسے شمار ہو سکتا ہے ؟ سوائے اس کے کہ یہ آپ کی کرم فرمائی اور قدر افزائی ہے اور کیا عرض کر سکتا ہوں؟

رہا مصنف ، تو اس کی قدر و منزلت کا یہ حال ہے کہ تمام ضروری کاموں کو چھوڑ کر اور تمام علمی رسائل سے منہ موڑ کر اس کے مطالعے کی طرف توجہ کی جاتی ہے - اسی سے آپ اندازہ لگا لیں گے کہ مصنف کو میں کس نظر سے دیکھتا ہوں- مصنف میں اب تک جو مضامین شائع ہو

چکے ہیں وہ میرے نزدیک نصابی درجہ رکھتے ہیں اور موقت دلچسپی کی چیز ہونے کی بجائے مستقل علمی مقالات ہیں جو بار بار مطالعے کے قابل رہتے ہیں - اس کا ایک نمبر دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نکل رہا ہے اور یقیناً داد کا مستحق ہے۔

چھٹے نمبر کی داد ابھی دینے نہ پایا تھا کہ ساتواں نمبر آپہنچا - اس نمبر میں اچھے اچھے اور قابلِ مطالعہ مضامین ہیں خصوصاً مسئلۂ علم پر مولانا راغب (۴) کا مسلسل مضمون اکبر الہ آبادی کی شاعری (۵) اور ادبیات جدید فارسی (۶) بھی خوب ہیں - سلاطینِ گجرات کی تاریخی کتب پر معمولی مضمونچہ لکھ کر صدیقِ مکرم چغتائی صاحب (۷) نے ٹالا ہے۔ حالانکہ اس سے معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ تاریخِ گجرات کے مآخذ پر ایک مفصل مقالے کی ان سے توقع کی جا سکتی ہے۔ پھر عنوان بھی کچھ مغالطہ انگیز ہے۔ اس کی بجائے " سلاطینِ گجرات کی تاریخ کے مآخذ " زیادہ صحیح عنوان ہو سکتا ہے - سلاطینِ گجرات کی تاریخ کے عربی مآخذ پر میں آج کل ایک مضمون لکھ رہا ہوں " تاریخی نوادر " اور "اردو نثر کے بہترین نمونے اور تبصرے" - یہ عنوانات آپ نے خوب اضافہ کیے ہیں جو پڑھنے والوں کے لیے خاص دلکشی رکھتے ہیں اور " مصنف " کا طرۂ امتیاز ہیں لیکن نثرِ اردو کا جو نمونہ اس وقت پیش کیا گیا ہے اس کو شاید انتخاب کرنے والے نے اپنے " جذبات " کی رعایت سے پسند کیا ہے - ورنہ اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے - تبصرہ کے زیرِ عنوان " اعمال نامہ " (۸) کا حقِ تنقید پورا ادا ہوا ہے - اس کتاب کو حال ہی میں ختم کر چکا تھا کہ یہ تبصرہ دیکھا اور اس کی ہر ہر سطر سے اتفاق کرتے ہوئے کہنا پڑا۔

دیکھنا " تنقید " کی لذت کہ جو اس نے " لکھا "
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

کتابِ مذکور کے متعدد تبصروں میں اس سے بہتر اور کوئی تبصرہ نہیں ہو سکتا - ایک سید (۹) نے دوسرے سید کے اعمال نامے کا خوب جائزہ لیا ہے کماقیل - الحدید یفلح بالحدید۔

آپ کے " ضبط و تحمل " کی داد دیتے ہوئے ایک حقیر سی رقم برائے مصنف ارسال خدمت کر رہا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صحیح قدر دان ہونے کا جو الزام آپ نے لگایا ہے وہ انشاء اللہ " مصنف " کے دم تک صحیح ثابت ہو کر رہے گا۔

احقر:
(اختر)

---

(۴)

جونا گڑھ

شفیق محترم! السلام علیکم

کتاب "اعمال نامہ" کے متعدد تبصروں میں سید اظہر رضوی کے تبصرے سے بہتر اور کوئی تبصرہ نہیں ہو سکتا۔ یہ تبصرہ ایک اور تبصرہ چاہتا ہے۔ ایسا راست راست بے کم و کاست تبصرہ شاید ہی کبھی دیکھنے میں آیا ہو - سید اظہر حسین صاحب تبصرہ نگاری کے لیے بہت موزوں معلوم ہوتے ہیں ایسے بے لاگ نقاد اور تبصرہ نگار ہماری قوم میں آج بھی مفقود ہیں - ایک زمانہ تھا کہ ہمارے اسلاف رحم اللہ من ھدانی الی عیوبی کی دعائیں دیتے تھے۔ آج ان کے خلاف اپنے اعمال کی ذرہ بھر تنقید برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

صلاحِ کار کجا و منِ خراب کجا　　　بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تابکجا

اعمال نامے کا تبصرہ ، معارف ، میں بھی دیکھا۔ مرنجان مرنج مبصر (نقاد نہیں) ان مقامات کی صرف تحسین (تنقید نہیں) کرتا ہوا گزر گیا ہے ، یہ بھی ایک خوشگوار اسلوب ہے لیکن وہ دِقّتِ نظر اور جامعیت کہاں جو "مصنف" کے نقاد کی تنقید صحیح میں پائی جاتی ہے اور یہی ہمارے نقاد کی بلندیِ فطرت اور مذاقِ صحیح کا ثبوت ہے اگر سید رضا علی صاحب کی جگہ میں ہوتا تو اس کی داد میں یوں دیتا کہ کتاب کے ہر نسخے کے ساتھ اس کو چھپوا کر تقسیم کرتا ، مگر یہ وصف تو کچھ انھیں جانبازوں کے ساتھ مخصوص تھا جو قرونِ اولیٰ کے خیر الامہ میں گزرے ہیں لیکن ہندی و مغربی ماحول نے اس صفت کو ہم سے چھین لیا - آہ! غالباً سودا ہیں۔

دلِ ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہّابیوں نے لوٹ لیا

آپ کا۔ اختر۔

---

(۵)

جوناگڑھ
۹ اگست ۱۹۴۴ء

شفیقِ مکرم ، السلام علیکم

کرم نامہ ۳۰ جولائی موصول ہوا - ممنون و مسرور فرمایا - آپ کے حسنِ طلب کا تو میں پہلے سے قائل ہوں ، اس پر معذرت کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

" سلاطینِ گجرات کے عربی مآخذ " پر میرا مضمون اصل انگریزی میں لکھا گیا تھا ، اس کا اردو ترجمہ دو ایک روز میں تیار ہو کر ارسال خدمت ہو گا۔(۱۰)

اردو نثر کے نمونوں کے سلسلے میں ایک استدعا یہ ہے کہ جب یہ کافی تعداد میں اکٹھے ہو جائیں تو اسی نام سے ان کا ایک مجموعہ مع مختصر حالاتِ اربابِ نثر شائع کر دیا جائے - یہ اردو ادب کی بڑی خدمت ہو گی-

رسالۂ معارف (بابت جنوری ۱۹۱۸ء) کے شذرات (۱۱) میں سید سلیمان صاحب ندوی نے مسز سروجنی نائیڈو پر اظہار خیال فرمایا ہے جو میرے خیال میں نثرِ اردو کے بہترین نمونوں میں شمار ہونے کے قابل ہے - اس تحریر میں ناقدانہ اسلوبِ بیان کے ساتھ ایک طرح کا حسین انداز اور بانکپن نظر آتا ہے جو سید صاحب کی دوسری تحریروں میں نہیں پایا جاتا - اگر آپ اس کو شائع کریں تو اس کی نقل کراکر بھیج دوں-

پروفیسر میمن صاحب اپنے وطنِ مالوف راجکوٹ میں براج رہے ہیں جو یہاں سے ۶۰ میل کی مسافت پر (تین گھنٹہ ریل سے) واقع ہے - حسبِ معمول اب کی مرتبہ بھی وہ یہاں چند روز کے لیے ضرور تشریف فرما ہوں گے- اس وقت آپ کا سلام موصوف سے عرض کردوں گا-

زہے نصیب جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس یہاں (۱۲) منعقد ہوا- اگر ایسا ہوا تو آپ سے تفصیلی ملاقات کا موقع نصیب ہو گا - خدا ہمنچیں کند ،

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہو گا -

آپ کا مخلص ،

احقر اختر

---

(۶)

قاضی واڑہ ، جوناگڑھ

دسمبر ۱۹۴۴ء

شفیقِ مکرم ! السلام علیکم

" بیت المصنف " کا افتتاح مبارک ہو - سپاس نامہ مل گیا تھا- طرزِ نگارش کی ندرت کے کیا کہنے- اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ (۱۳)- " بیت المصنف " کے لیے عنقریب کتابیں جمع کرکے روانہ کروں گا- میری تصنیفات بھی اس میں شامل ہوں گی- کچھ دن اور انتظار کیجیے-

حضرت نواب صدر یارجنگ بہادر قبلہ ہماری مجلس علم و ادب کے آخری صدر نشین ہیں اور اس تاریک ملک میں تیرہ بختوں کے روشن چراغ- اسلاف کے نام لیوا بزرگوں میں اس وقت ان کی ذاتِ اقدس مغتنمات میں سے ہے - آپ نے حضرتِ موصوف کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ حرف بہ حرف صحیح اور اس سے مجھے کلی اتفاق ہے، اور میں آپ کی اس دعائے خیر میں

شریک ہونے کو اپنا اسلامی اور قومی فرض سمجھتا ہوں اور زوروں سے آمین کہتا ہوں۔

مخلص:

اختر

---

(۷)

جوناگڑھ

۲۷ دسمبر ۱۹۴۴ء

کرم گستر! تحیۂ مسنون

الطاف نامے نے ممنون و مسرور فرمایا۔ آپ "حسن ظن" کو اس قدر تو نہ بڑھائیے کہ کسی کی رسوائی تک نوبت پہنچے۔ آپ کے ہاں "اچھی چیزیں پرائیویٹ نہیں رہتیں" لیکن میرا خیال ہے کہ "اچھی چیزوں کو پرائیویٹ ہی رہنا چاہیے۔" یہ مانا کہ آپ کو تنہا حلوا خوری کی عادت نہیں، لیکن معاف فرمائیے، "قندِ مکرر" تو کچھ تنہا ہی لطف دیتی ہے۔ بہرحال میں بھی آپ کی اس کیفیت سے کچھ کم لطف اندوز نہیں ہوا، بقول شوق قدوائی:

وہ خوش کہ ہیں جگر کو نظر میں لیے ہوئے
میں خوش کہ ہوں نظر کو جگر میں لیے ہوئے

جوبلی (۱۴) کی تقریب نہایت سادگی سے انجام پائے گی اور سوائے چاندی میں تولنے کی رسم کے، اور کوئی جشن وغیرہ نہ ہوگا، اس لیے باہر کے لوگوں کو دعوت نامے نہ بھیجے جائیں گے ویسے آپ آئیں تو سر آنکھوں پر، صدر اور معتمد (کانفرنس) کی نیابت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنی طرف سے بہ نفسِ نفیس رونق افروز ہوں تاکہ ہم بھی خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر سکیں۔ جوبلی ۳۱ مارچ کو ہوگی اور آپ دسمبر کی تعطیل میں بہت دور نکل جانا چاہتے ہیں۔ کان پور اور گورکھ پور تو بہت دور نہیں ہیں، البتہ جوناگڑھ کو "بہت دور" کہا جا سکتا ہے۔

کمیٹی (۱۵) کا جلسہ آپ نے جنوری کے پہلے ہفتے میں رکھنے کا ارادہ کیا ہے، حالانکہ ہمارے ہاں پورے تین ماہ جنوری، فروری، مارچ جوبلی کے انتظامات میں صرف ہوں گے، جس میں سب سے بڑا کام ۲۵ لاکھ روپے چندے کی فراہمی ہے۔ کیا اچھا ہو کہ ایسٹر کی تعطیل میں جلسے کی تاریخ مقرر ہو سکے۔

آج کل مفصلات میں دورے پر جانا پڑتا ہے، اور بھی کئی مصروفیتیں ہیں اس لیے ڈان (۱۶) میں مضمون لکھنے کا شاید ہی موقع ملے، تاہم کوشش کروں گا۔ کتابیں اکٹھی کر رہا ہوں، معقول تعداد میں جمع ہو جائیں تو کسی نیک ساعت میں ارسالِ خدمت کروں۔

اطہر صاحب کو سلام شوق اور دعائے فراواں حضرت نواب صاحب قبلہ کی خدمت بابرکت میں آداب تسلیمات کہیے مولانا میمن سے مصالحت ہو گئی یا نہیں۔ "مصنف" کب تک آئے گا۔ امید کہ مزاج لطیف بخیر ہو گا۔

ہمیشہ آپ کا مخلص
اختر

---

(۸)

جوناگڑھ

---جون ۱۹۳۵ء

شفیقِ محترم - السلام علیکم

پرسوں "مصنف" باصرہ نواز ہوا مگر بیوگی کے لباس، میں خط اور رسالے میں آپ کے پورے خدوخال پیش نظر ہو جاتے ہیں اور میں دیر تک محو تماشا رہتا ہوں۔ ۲ مارچ کے نیاز نامے کی پذیرائی کا شکریہ۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا؟

متواتر علالتوں کے دور سے گزر رہا ہوں - آشوبِ چشم ، اس کے بعد دردِ گردہ پھر اسہال اور --- ایک مرگِ ناگہانی اور ہے - لیکن اس سے پیشتر ایک مرتبہ علی گڑھ میں آکر ملاقات کرنے کی تمنا ہے(۱۷) - مقالہ ولی کا حسن طلب بینِ فوسین خوب رہا- آدمی میں کم سے کم اتنی لطافت تو ہو- اطہر میاں سے کہیے کہ قفل خوشی توڑیں - امتحانات کی مصروفیتیں ختم ہو گئی ہوں تو کچھ قلم کے جوہر دکھائیں۔

مخلص
اختر

---

(۹)

جوناگڑھ

اکتوبر ۱۹۳۵ء

شفیقِ مکرم زاد اطافکم ! سلام مسنون

"مصنف" باصرہ نواز ہوا اور اپنے دامنِ سادہ مگر پُرکار میں رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ لایا جو دیر تک مشامِ جان کی تازگی کا باعث بنا رہا- ذکرِ ماضی و فکرِ فردا تو البتہ بجائے خود ایک

مستقل دلچسپی کی چیز ہے۔ لیکن کوئی مقالہ ایسا نظر نہیں پڑا جسے معیاری کہہ سکیں یا یوں کہیے کہ میری دلچسپی کا نہ تھا۔ کوئی کلیہ استثناء سے خالی نہیں۔ اسی طرح کا ایک معزز مستثنیٰ ہے۔ "جنرل بخت خاں روہیلہ" سیّدہ انیس فاطمہ (۱۸) کا وہ فاضلانہ اور انشاء پردازانہ مقالہ جو کسی کی "شرکت" کی غمازی کر رہا ہے۔ جس عالمانہ تحقیق، ناقدانہ تدقیق اور مبصرانہ تنقید کے ساتھ یہ مقالہ سپرد قلم ہوا ہے اس کی داد تو ہر علم دوست سے لے گی لیکن خود آپ سے بھی خراجِ تحسین وصول کرکے رہا ہو گا۔ ع اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ۔ اگر کاغذ کی کمیابی کے عذرِ سادہ کے ساتھ پورے رسالے میں صرف یہی ایک مقالہ درج ہوتا تو بھی یہ نمبر خاصا کامیاب رہتا۔ کاش اس سے ہمارے دوسرے تعلیم یافتہ بھائی اور بہنیں سبق حاصل کریں اور اس روشن مثال کی اتباع کرکے اپنی روشن دماغی اور روشن دلی سے اپنی محدود دنیا کو منوّر کریں۔

مخلص:

اختر

---

(۱۰)

جوناگڑھ

جنوری ۱۹۳۶ء

مکرمی السلام علیکم

آپ کی علالت طبع اور موجودہ حالات معلوم کرکے مجھے کچھ زیادہ تعجب نہیں ہوا البتہ افسوس ضرور ہوا۔ "قویٰ کارکنوں" کی یہی گت ہوتی رہتی ہے۔ "روشنیِ طبع" بسا اوقات انسان کے لیے "بلا" بن جاتی ہے۔ آپ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں رہے اس لیے اب "گل و گلچیں کا گلہ" عبث ہے۔ مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ اتنی تلخ کامیوں کی باوجود آپ توازن دماغی کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ع

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

آپ اپنی "موجودہ کولھو کے بیل کی سی زندگی" کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں، خدا کرے آپ میں اتنی جرأت پیدا ہو جائے۔ لیکن میرے خیال میں تو صرف یہ آپ کے لیے دشوار بلکہ ناممکن ہے اس لیے فی الحال تو مر مر کے جیے جانا ہی بہتر ہے تاوقتیکہ خدا کوئی بہتر سامان پیدا نہ کر دے۔ میں بسترِ علالت سے اٹھ تو گیا لیکن دل و دماغ بری طرح ماؤف ہو گئے اور ضعف و ناطاقتی کے ساتھ ہی تفکرات کا ایک سیلاب امنڈ آیا ہے۔ دعا کیجیے کہ خدا ان سے جلد نجات دے۔ ایک جان ناتوان پر اتنے جھمیلے ہیں کہ خدا کی پناہ!

"زندگی اپنی جب اس طور سے گذری اختر ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے"

مقالہ ولی صرف آپ کی توجہ کا کرشمہ ہے نہ آپ مجھے "بزمِ مصنف" میں بلاتے نہ میں اس کام کو انجام دے سکتا (۱۹)- حضرت قبلہ نواب صاحب کا یہ ارشاد کس قدر صحیح ہے کہ آپ میں ادبی خدمات لینے کا خاص ملکہ ہے ، اس لحاظ سے اس مقالے کی جو کچھ داد مل رہی ہے ، اس کے مستحق مجھ سے زیادہ آپ ہیں- ناظر صاحب کاکوروی' پروفیسر عبدالشکور صاحب اور سید حسن امام صاحب کا ممنون ہوں کہ انھوں نے قدردانی کی یہ حُسنِ نظر ہے ورنہ یہ مقالہ اس قدر مواد کا مستحق تو نہیں ہے- بہت سرسری طور پر لکھا گیا تھا (۲۰)- البتہ اس کا دوسرا حصہ (اگر مسوّدہ بیّضہ ہو سکا) قابلِ دید ہو گا - بعض احباب نے بھی اس کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے-

حبیبِ لبیب پروفیسر نجیب اشرف صاحب(۲۱) فرماتے ہیں "ابھی ابھی مصنف ملا- اُسی وقت آپ کا تحقیقانہ مضمون پڑھا- آپ ہوتے تو گلے لگا کر داد دیتا اب زبانِ قلم سے یہ فرض ادا کرتا ہوں- مبارکباد ، "الموسیٰ" والے مضمون کا میں نے جواب لکھا تھا اب وہ مکمل ہو رہا ہے - اکثر توارد ہے- ایک مرتبہ پھر مبارک باد قبول فرمایئے- "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ-"

میرے ایک دیرینہ محب مخلص جناب شہاب مالیر کوٹلوی مقیم بمبئی رقمطراز ہیں :

آپ کا مرسلہ تحفہ "مصنف" ملا ، ملتے ہی پڑھا اور آپ کی تحقیق و تدقیق کا نقش جو دل پر پہلے ہی ثبت تھا اور گہرا ہو گیا ، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ حکیم کی خاموشی بلاوجہ نہیں ہوتی- اتنے لمبے سکوت کے بعد ولی کی وطنیت کی فیصلہ کن بحث اس سکوت کا ثمر ہے- بارک اللہ بارک اللہ - اب "معارف" تو آپ کے معارف سے گویا محروم ہی ہو گیا- "مصنف" کی خوش قسمتی میں کسے شک ہو سکتا ہے- دورانِ بحث میں دکنیوں سے چھیڑ چھاڑ معاصرانہ اور علمی گفتگو سے زیادہ رقابتِ وطنی کا رنگ لیے ہوئے نظر آئی- ایسا ہونا قدرتی تھا- ولی کو اورنگ آبادی ثابت کرنے کے لیے حیدرآبادی اہلِ قلم نے جو رَوِش اختیار کی اس میں دکن اور دکنی کو اساس قرار دے کر ہوائی قلعہ تعمیر کر لیا گیا تھا - قدیم شواہد پر تنقید و تبصرہ کے ساتھ آپ کا نئے عناصر اور تازہ شواہد کا بحث میں شامل کر دینا آپ کی تلاش ، ولی کی خوش قسمتی اور اہل علم کے لیے نئی دعوتِ فکر اور اہلِ قلم کے لیے تلاش و جستجو کا نیا اچھوتا نمونہ ہے - بارک اللہ- اس پرچے میں غلام قادر روہیلہ پر سیّد الطاف علی صاحب کا مضمون بہت اچھا ہے- انھوں نے زیادہ تر نجیب التواریخ پر اعتماد کیا ہے ، ضرورت ہے کہ وہ کتاب بھی چھپ جائے- سیّد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے بہت اچھا ہے ، مگر

اقبال کی نظم میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اکبر شاہ خاں صاحب کے بیان کی بناء پر کمزوری کا ثبوت ملے۔ دورِ آخرِ مغلیہ کی تاریخ سوائے حسنِ ظن کے اور کسی طرح بھی مسلمانوں کے لیے سرمایہ ناز و افتخار نہیں۔ مغلیہ خاندان کے عروج کی تاریخ نے ہندی مسلمانوں کے قدیم فرماں رواؤں کے محاسن کو بھی معائب نہیں بنایا تو گرد آلودہ ضرور بنا دیا ہے۔ حالانکہ مغلوں سے پہلے کے جو دور تھے ان میں بھی بادشاہ ہونے کی حیثیت سے بڑے بڑے فرماں روا ہو چکے ہیں، مگر بد قسمتی ہے کہ ہندی مسلمان عموماً مغلیہ دور ہی کو اسلامی دور سمجھ کر قصہ ختم کر دیتا ہے۔ خیر تو بحث یہ تھی کہ --- سیّد صاحب نے غلام قادر کے لیے جو لکھا ہے وہ بہت اچھا ہے۔ مگر سیّد صاحب کا یہ کہنا کہ وہ مسلم طاقت یا مغلیہ طاقت کی بحالی کی آخری کوشش کرنے والا یا آخری محافظ ہے، زبردستی ہے۔ شاہی لال قلعے میں اس کے ساتھ جو ہوا اس کا اگر وہ بدلہ لے تو اسے کون برا کہہ سکتا ہے اور یہ تو سیاست ہے کہ طاقت ور کمزور کو دباتے ہیں لیکن بچی سیاست یہ ہے کہ کمزوری میں غلام نہ بنے۔ طاقت میں فرعون نہ بنے۔ ایسا ہی شخص فرماں روائی کا مستحق ہے۔ نگاہیں ایسے ہی لوگوں کو ڈھونڈ رہی ہیں"

حیاتِ ولی کا احباب کی طرف سے سخت تقاضا ہو رہا ہے۔ میں نے بہت کچھ حصہ لکھ ڈالا ہے، اس کو صاف کرنا باقی ہے جو موجودہ مصروفیتوں میں بالفعل دشوار ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ ماہ میں اس کام کو شروع کردوں۔ میں نے اس کے دو حصے کر دیے ہیں۔ پہلے حصے میں ولی کے خاندان اور ذاتی حالات ہیں اور دوسرے میں ان کی شاعری پر مفصل بحث ہے۔ پہلا حصہ حتی الامکان جلد سے جلد جنوری کے اواخر تک تیار ہو سکتا ہے، دوسرا حصہ ذرا محنت طلب ہے اور اس پر بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ جو کافی وقت اور فرصت چاہتا ہے۔ غلام قادر کے مضمون پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں(۲۲)۔ اچھا اب خدا حافظ!

مخلص:

اختر

---

(۱۱)

جوناگڑھ

۲۲ فروری ۱۹۳۶ء

محبِ مکرم! زاد اللہ فکم سلام مسنون

کرم نامہ مورخہ دستیاب ہوا۔ میں گاؤں پر تھا۔ اس لیے جواب میں دیر ہوئی۔ الیکشن میں آپ کی ناکامی (۲۳) کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں۔ مگر مجھے اس سے ایک گونہ مسرت ہوئی، قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ علم و ادب کا خادم سیاسیات کے خارزار میں الجھ کر رہ جائے۔ آپ نے جن "رذائلِ اخلاق کا تماشا کیا وہ دور سے بھی کچھ زیادہ "جنّتِ نگاہ" نہ تھے، یہ "فریبِ نظر" نہ تھا، بلکہ "فریبِ نفس" تھا جس نے آپ کو دور سے "بہشتِ شداد" کا نظارہ دکھا دیا! بہرحال جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔

عسی ان تکرھوا شیئاً وھو خیرلکم

آپ نے بڑی مزے کی بات کہی کہ "محدود دلچسپیوں کے لوگ مزے میں رہتے ہیں"! لیکن آپ جن کو "دلچسپیاں" کہتے ہیں، میں ان کو زحمتیں سمجھتا ہوں، ورنہ "دلچسپیاں" خواہ کتنی ہی لامحدود ہوں آدمی کو ہمیشہ مزے میں رکھتی ہیں، اور ان سے وہ کبھی "بدمزہ" نہیں ہوتا۔

آپ اس وقت ایک بہت "بڑی بلندی" سے نیچے آ رہے تھے۔ وہ خیالی "سربلندی" جو آئے دن کے تفکرات یا "افکار" سے ہمیشہ آپ کے سر کو نیچا رکھتی۔ شکر ہے کہ یہ "طلسم" جلد ٹوٹ گیا۔ اب اس پر ڈراپ سین ڈال کر ختم کر دیجیے۔ اور طبیعت کا رنگ بدلنے کے لیے چند روز یہاں چلے آئیے، اگرچہ اُسٹی ٹیوٹ کے دورے پر نکلنا اس وقت میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ رہا دل لگنا، تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں کے مناظر خصوصاً دیہاتی زندگی سے آپ کا دل ضرور بہل جائے گا۔ "مصنف" مل گیا۔ اڈیٹوریل تو پورا کانفرنس کی نذر ہو گیا ہے۔ آپ نے "بزمِ مصنف" کو "فکرِ فردا" سے علیحدہ رکھا ہے۔ یہ بہت اچھا کیا۔ لیکن میں اس تقدیم و تاخیر کو پسند نہیں کرتا۔

نواب صاحب قبلہ پر بہت مفصل مقالہ (۲۴) چھپا ہے، اس کے باوجود حضرت موصوف کی ادبی حیثیت پر روشنی نہیں ڈالی گئی اور اس لحاظ سے وہ بہت "تشنہ" ہے۔ ان کی انشا پردازی تنہا اظہار خیال چاہتی ہے۔ میں ان کو اردو کے اساتین میں سے سمجھتا ہوں، اور طرز انشاء کے لحاظ سے "آزادِ ثانی" اور آزادِ ثانی (ابوالکلام) کو ان کے بعد۔

بہن انیس فاطمہ کا مقالہ "حضرت محل" پر جہاں اپنے مخصوص طرزِ بیان کے لحاظ سے "خاصے کی چیز" ہے، وہاں تاریخی تحقیق و جستجو کا بہترین نمونہ ہے۔ کسے مبارک باد دوں؟ ان کو، یا آپ کو؟ کم سے کم "مسلم ہیروئنس آف انڈیا" پر ان کے قلم سے ایک مفصل کتاب کی توقع بیجا نہ ہو گی۔ غالباً یہ "ادبی تخلیق" آپ کے لیے بھی بہت باعث سکون (۲۵) ہو گی۔

مقالہ ولی پر تصحیح و استدراک کے عنوان سے ایک تحریر عنقریب بھیجے گی۔ اس کے بعد

تذکرہ ولی بھیج دیا جائے گا۔

کلکتہ والے مولوی نذیر احمد کا مضمون "ہندوستان کے کتب خانے" انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۷ مئی ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں چھپا ہے۔ اظہر صاحب سے کہیے کہ وہ نقل کراکر بھیج دیں۔

راجستھانی صاحب اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں، آپ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اظہر میاں کو سلام و دعا۔

مخلص:

اختر

---

(۱۲)

جوناگڑھ

اپریل ۱۹۴۶ء

شفیقِ محترم! السلام علیکم

دلی کے سلسلے میں ہمارے ایک پنجابی دوست پروفیسر عبداللہ ڈار گجرات کالج احمد آباد نے اپنے خط میں مقالے کی بعض ضمنی اور جزئی باتوں پر اعتراضات کیے ہیں جن میں دو ایک کے سوا باقی زیادہ اہم نہیں ہیں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ میں اسی مقالے پر ایک استدراک لکھ کر بھیجوں جس میں ان اعتراضات کا جواب بھی ہو جائے اور جو غلطیاں رہ گئی ہیں ان کی تصحیح بھی ہو جائے۔ ساتھ ہی بعض امور کی تشریح بھی۔

علی گڑھ کی سبحان اللہ خاں لائبریری میں دلی کا قلمی دیوان موجود ہے۔ ذرا وہ دیکھ کر مجھے بتائیے کہ

نمبر۱۔ اس میں کتنی غزلیں ہیں؟

نمبر۲۔ کس سنہ کا لکھا ہے اور کاتب کون ہے؟

نمبر۳۔ کتاب کے آگے پیچھے کوئی عبارت لکھی ہوئی ہے؟

نمبر۴۔ مصنف کا نام سرورق پر یا آخر میں دیا ہے یا نہیں؟

نمبر۵۔ خط اور کاغذ کیسے ہیں؟

مخلص:

اختر

جونا گڑھ

۱ مئی ۱۹۴۶ء

(۱۳)

مکرمی!

مدتوں سے آپ نے نصف ملاقات سے محروم رکھا ہے اس سے قبل دو نیاز نامے حاضر خدمت ہو چکے ہیں جن میں سے ایک کا بھی جواب نہیں آیا۔ پہلا خط مصنف میں نظر سے گذرا جس نے دربار یار تک اپنی رسائی کا ثبوت دیا۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ اب آپ اپنے علمی دائرے کو وسیع کرتے جا رہے ہیں۔ اس کا بین ثبوت " روہیلہ " کا ضمیمہ ہے۔ پیش از وقت مبارک باد قبول فرمائیے۔ " مصنف " میں اب کی مرتبہ عزیزہ انیس فاطمہ آپ کی اسسٹنٹ کے طور پر نظر آ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مہدی مرحوم کا یہ فقرہ یاد آ گیا:

" عذرا میری اسسٹنٹ ہو تو اردو لٹریچر میں جان پڑ جائے۔ "

مہدی مرحوم کو تو عذرا ملی ہو یا نہ ملی لیکن آپ کی خوش قسمتی میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ جوڑا اپنی ادبی اور علمی تحقیق میں نئی "تلاش" کا ثبوت دے اور زبان و ادب کی خدمات سے تمام ملک کو فائدہ پہنچائے۔ آمین۔

عزیزہ سیدہ اب کی مرتبہ بجائے مضمون نگار کے "نقاد" بن گئی ہیں لیکن یہ آگے چل کر کہیں خطرناک نہ ثابت ہو۔ ان کے تبصرے یوں تو بہت پر لطف ہیں لیکن "ساز ترقی" کے تبصرے میں انھوں نے غضب کیا کہ اردو کے ایک افسانہ نگار کو زندہ درگور کر دیا۔ ان کے بعد والے " بزرگ " کے ساتھ اگر یہ سلوک ہوتا تو نامناسب نہ تھا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ ابھی ڈھلتی ہوئی چھاؤں بھی نہیں ہیں۔ ان کے والد مرحوم مولوی سید ممتاز علی صاحب کے بجائے خود ان کا نام سہواً درج ہو گیا ہے۔ ہاں نگار کے انتقاد نمبر کی تنقید میں یہ فقرہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

" وہ ایک ایسی کسوٹی ہیں جس پر سونا کندن بنتا ہے کیا سونے اور کندن میں کوئی فرق ہے۔ آگے چل کر فرماتی ہیں۔

" مستقبل میں انھی کی بتائی ہوئی شاہراہوں پر چل کر ہماری نوخیز نسلیں اردو کو دنیا کی سب سے ترقی یافتہ زبان بنا سکیں۔"

" انھیں " (انھی) کی ضمیر یہاں نیاز (فتح پوری) صاحب کی طرف راجع ہوتی ہے، حالانکہ نیاز نگار کی طرف راجع ہونی چاہیے۔

آپ کے کاتب صاحب کی یہ ستم ظریفی ہے کہ انھوں نے میرے پچھلے خط میں " ادبا ملیق " کو " ادبی تخلیق " لکھ دیا ہے۔ اگر قاب قوسین او ادنیٰ" کی رعایت سے ایسا کیا ہے تو خ

ورنہ اس میں معاملہ ازالۂ "حیثیتِ عرفی" تک پہنچ جاتا ہے - خیر خداایش بیا مرزد- "بزمِ مصنف" میں شیخ ممتاز حسین صاحب (۲۶) کے اس فقرے سے بہت لطف اندوز ہوا کہ میں اور مولوی طفیل احمد صاحب (۲۷)- میر ولایت حسین (۲) اور خان بہادر حبیب اللہ خاں صاحب (۲۹) بالکل سرسیّد مرحوم کی طرح ہمدرد مسلمان ہیں- اس پر مولوی بشیر احمد کی وہ تحریر یاد آ گئی جس میں انھوں نے اپنے والد ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم - مولانا حالی اور مولانا شبلی کو اردو شاعری کا " اتحاد ثلٰثہ " کہا ہے-

" مقالہ اولی (وا لصحیح : مقالۂ ولی) کی تصیح " و استدراک (۳۰) پر ایک مضمون لکھ کر روانہ کیا ہے- رسید سے مطلع فرمائیں-"

آج کل یہاں دلی کے دیوانِ اشاعتِ جدیدہ پر ایک مضمون قلمبند کر رہا ہوں- میں اس وقت جونا گڑھ سے ۱۴ میل کی مسافت پر دیہات میں مقیم ہوں- نسبتاً یہاں گرمی کم ہے- برسات سے پہلے گھر پہنچ جانے کا ارادہ ہے-

کوئی چھینٹا پڑے اختر تو جونا گڑھ چلے جائیں
کرنجھڑی گاٶں میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں

ہمیشہ آپ کا مخلص

اختر

---

(۱۴)

قاضی احمد میاں اختر-

موضع کرنجھڑی جونا گڑھ کاٹھیاواڑ-

یکم مئی ۱۹۴۶ء

شفیقِ محترم! السلام علیکم

میں ۴ مئی سے اپنی گاؤں پر آم کھانے اور گرمیاں بسر کرنے آیا ہوں- سارا کنبہ ہمراہ ہے ، جون کے پہلے ہفتے تک یہاں قیام رہے گا-یہیں سے آپ کو ۶ مئی کو خط اور مضمون روانہ کیے تھے ، جن میں سے صرف مضمون آپ کو پہنچا ہے- امید ہے ایک آدھ روز دیر سے خط بھی مل گیا ہو گا- محبت نامہ مورخہ ۱۱ آج شام کو مجھے دستیاب ہوا- یہ ۱۵ اکتوبر کو جونا گڑھ پہنچا- آدمی اس ہفتے کی ڈاک لینے گیا تو مکتوب فرحت اسلوب بھی لایا- اور بڑی دیر تک میں اس کے مطالعے سے محفوظ ہوتا رہا- میں نے مضمون اور خط دونوں ڈاک میں ڈالنے کے لیے (کہ یہاں ڈاک کا کوئی انتظام نہیں ہے سوائے جونا گڈھ کے جو یہاں سے تیرہ میل کی مسافت پر ہے) گھر پر بھیج دیئے تھے تعجب ہے کہ آپ کو مضمون کے ہمراہ میرا خط نہیں ملا- جو مصنف کے تبصرے پر مشتمل تھا- براہ

کرم جلد مطلع فرمائیں کہ وہ خط آپ کو ملا ہے یا نہیں۔

حیاتِ دلی ، ویسے تو مدت ہوئی لکھ چکا ہوں۔ لیکن ابھی اس میں کئی اضافے کر باقی ہیں جن کے لیے میں وقت نہیں نکال سکا۔ میرے نجی مشاغل نے اس کام میں اس قدر روڑے اٹکائے ہیں کہ میں اس کام کو جلد انجام نہیں دے سکا۔ بہرحال یہاں سے گھر پہنچتے ہی اس کی تکمیل کروں گا اور آپ کو بھیج دوں گا۔ برسات کے دنوں میں شاید فرصت مل جائے اور یہ کام پورا ہو (آپ مطمئن رہیں، میں دلی پر برابر کام کر رہا ہوں اور انشاء اللہ اس کی تکمیل کرکے چھوڑوں گا۔ واللہ بید اللہ تعالی (۳۱)

آپ جونا گڈھ ضرور تشریف لائیے ۔ لیکن برسات کا زمانہ بالکل قریب آگیا ہے۔ اگر موسم کا لطف اٹھانا اور "بہارِ عمر" (یعنی دوستوں سے ملاقات) کرنا ہے تو جلد آئیے۔ اور اگر " اسیرِ کمیٹی و چندہ " ہو کر آنا چاہتے ہیں تو اس کو جاڑوں کے آغاز پر ملتوی کر دیجیے ۔ پہلے کچھ مراسلت کا سلسلہ جاری کرائیے اور پھر نومبر یا دسمبر تک آ دھمکیے۔ اس وقت نہ تو نواب صاحب ہی جو: گڈھ میں ہیں نہ دیوان صاحب۔ یہ لوگ اطراف میں ساحلی مقامات پر گرمیاں بسر کرنے چلے گئے ہیں(۳۲)۔

سنا ہے راجستھانی آگئے اور اب کی مرتبہ اکیلے نہیں آئے ۔ بلکہ " نصف بہتر " کو ساتھ لے کر! شاید یہ خیال ہو کہ

تمھیں نے درد دیا ہے تمھیں دوا دینا!

بند روز ہوئے ان کا خط آیا تھا۔ میں ۲۰ کو ایک دن کے لیے جونا گڑھ اپنی کار پر چلا جاؤں گا ۔ اس وقت ان سے ملاقات ہو گی۔ اور "، و دوا" کی کیفیت بھی معلوم ہو کر رہے گی۔(۳۳)۔

" غبارِ خاطر " (۳۴) کئی روز ہوئے مجھے یہاں مل گئی ہے۔ کئی ماہ ہوئے ناشر کو آرڈر دے چکا تھا GET UP تو البتہ خوش نما ہے، گو شان دار نہیں، لیکن کاغذ اور کتاب اول درجے کی نہیں ۔ بہرحال ہے قابلِ مطالعہ چیز ، جس طرح شکسپیر اور بائرن کو شعر و ادب سے، بیکن اور کارلائل کو اخلاقیات سے ، برک اور میکالے کو تاریخ و سیاسیات سے علیحدہ کر دیا جائے تو یقین ہے کہ دوسرے موضوعات پر ان کی تحریریں اس قدر وقیع اور اہم نہ رہ سکیں۔

اسی طرح آزاد کی تحریر کا زور کچھ مذہب اور دینیات یا پھر سیاسیات کے دائرے میں ہی نظر آتا ہے۔ ادب میں ان کی قلم کاریاں طولِ کلام کے علاوہ اشعار کی بھرمار کے لحاظ سے الشی بالشی یذکر کی مصداق ہیں۔ ان کے خطوط زیادہ تر اپنے "ذاتی حالات و مشاہدات" پر مشتمل ہیں جن کو ادبی چاشنی دینے میں تصنع سے کام لیا گیا ہے۔ امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہو گا۔ اظہر میاں کو سلام۔

مخلص:

اختر

جوناگڑھ

جولائی ۱۹۴۶ء

" مصنف " کا ہر نمبر آپ کے علمی و تاریخی ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے ، اب کی مرتبہ بھی نواب سراج الدولہ (از مولوی رئیس الاسلام صاحب گوپاموی) نہایت محققانہ اور پر از معلومات شائع ہوا ہے - مضمون کو پڑھتے وقت صفحہ ۱۹ کے فٹ نوٹ میں " منتخب اللغات " کا حوالہ دیکھ کر خیال ہوا کہ اس قسم کے لطائف اگر یکجا جمع کر دیے جائیں تو کاتب صاحبان کو اپنی ستم ظریفیوں کا علم ہوتا رہے اور شاید ان کی اصلاح کا موجب ہو-

تاریخی مضامین کے سلسلے میں آسامی مسلمانوں کی ابتدائی تاریخ (مترجمہ اختر النساء بیگم صاحبہ بی - اے جبلپور) جتنی دلچسپ ہے- اتنی ہی مختصر ہے- چند ماہ ہوئے ایک بنگالی محقق ہلاچرن لا کا ایک مفصل مضمون " سلاطینِ گور " پر نظر سے گزرا تھا - ابتدائی عہد میں اسلام کے ایک مایۂ ناز فرزند قاضی محمد رکن الدین سمرقندی (۵۴۰ ھ) معروف بابن التمیمی سرزمینِ کامروپ میں پہنچ گئے تھے - چنانچہ ان کی ایک عربی کتاب " المراۃ المعانی فی ادراک العالم الانسانی (جوگ پر سنسکرت کی ایک کتاب " امرت کنڈ " کا ترجمہ ہے) کے دیباچے میں کامروپ کی جامع مسجد میں ایک ہندو یوگی بھوجر برہمن کے جانے اور قاضی صاحب کے ہاتھ پر اسلام لانے کا واقعہ ملتا ہے- اس ابتدائی عہد میں آسام میں مسلمانوں کی تاریخ سے متعلق اگر مزید تحقیقات کی جائے گی تو امید ہے کہ زیادہ حالات مل سکیں گے-

اب کی مرتبہ جدید مطبوعات پر تبصرے خوب ہیں- اردو کے چوٹی کے رسائل میں بھی (رسالۂ اردو کے سوا) اس سے زیادہ مفصل اور بہتر تبصرے نہیں نظر آتے ، تبصرہ نگار (سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی) قابل مبارک باد ہیں ؎

نقّاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول

دلی کے سلسلے میں کئی چیزیں پیشِ نظر ہیں ، جن کی تکمیل فرصت چاہتی ہے بعض فاضل دوستوں کی رائے ہے کہ اس کو کتابی صورت میں چھپوایا جائے- اب تک جو کچھ لکھ جا چکا ہے وہ ایک مضمون کی صورت میں ہے جس کے کئی گوشے تشنۂ تکمیل ہیں اور مکمل ہونے کے بعد وہ مضمون کی حدود سے متجاوز ہو جائے گا اس لیے اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ ہے- لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا - آپ کو جو مضمون بھیجا گیا ہے وہ پچھلے مقالے کی آخری کڑی ہے (۳۵)-

رفتیم یاراں تخفیف تصدیع گر دردِ سر بود از ما شمارا

ہمیشہ آپ کا
اختر

---

(۱۹)

جونا گڑھ
۳۰ جولائی ۱۹۴۲ء

شفیقِ محترم و صدیقِ مکرم دام عنایتکم

السلام علیکم - مودت نامہ مورخہ ۲۲ یہاں ۲۵ کو ایسے وقت میں پہنچا کہ میں اور میرے گھر کے لوگ خون کے آنسو رو رہے تھے- حادثۂ فاجعہ کی تفصیل یہ ہے-

۱- میرے برادر نسبتی (میاں فصیح الدین کے بڑے بھائی) اور میری بیوی نمبر ۲ کے برادر عزیز عمر ۳۲ سال ، دیہات میں جہاں وہ شکار کے لیے گئے ہوئے تھے، ندی کے کنارے اپنے دوستوں کے ساتھ ایک چٹان کے نیچے بارش سے پناہ لینے کے لیے بیٹھے کہ یکایک وہ چٹان ان سب پر گری- ان میں سے تین بچ گئے اور دو دب کر فوت ہوگئے- ان ہی میں ایک برادرِ عزیز فقیہ الدین (عرف حسین میاں) بھی تھے- میت کو بذریعہ ریل کار لایا گیا اور ساٹھ سالہ بوڑھے باپ نے پردیس میں اپنے لاڈلے کو سپرد خاک کیا- یہ حادثہ ۲۴ جولائی کو رونما ہوا - مرحوم نے ایک نوجوان بیوہ اور دو بچے (لڑکی اور لڑکا) چھوڑے ہیں-

۲- عین اسی وقت مرحوم کو پیوند خاک کیا جا رہا تھا کہ اطلاع ملی کہ میری بیوی نمبر ۱ کے بڑے بھائی قاضی عبدالحق صاحب ، جو اپنے گاؤں سے اسٹیشن پر پیدل آ رہے تھے راستے ہی میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے رحلت فرماگئے- چنانچہ اسی وقت دوسری ریل کا انتظام کرایا گیا- اور میت کو اسی جگہ لا کر دفنایا گیا- مرحوم میرے چچازاد بھائی اور میری جاگیر کے سہیم و شریک تھے- اور اس زمانے میں میرے دستِ بازو بلکہ پشت پناہ تھے- ان دو عزیزوں کا یکایک اٹھ جانا اور اس طرح درد ناک طور پر ان کی موت کا واقع ہونا میرے لیے اور میرے خاندان اور گھر والوں کے لے قیامتِ صغریٰ سے کم نہیں ہے - انا للہ وانا الیہ راجعون-

آج سات دن ہوئے طبعیت ان پے در پے صدموں سے بہت نڈھال ہو رہی ہے اور انتشارِ دماغ و اختلاجِ قلب نے مجھے بھی آپ ہی کی حالت پر لا کر رکھ دیا ہے؎

"تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل"-

میاں فصیح الدین (۳۶) کا خط آیا تھا ، انھوں نے لکھا ہے کہ ہاسٹل میں ان کا داخلہ نہیں ہو سکا اور نہ کالج میں ، حالانکہ ریاست نے ان کو نامزد کرکے بھیجا ہے- اور باقاعدہ تحریر لکھ

۔ ساتھ دی ہے۔ پھر بھی یہ مطالبہ ہو رہا ہے کہ ایک مخصوص فارم پر افسرِ تعلیمات اور یہاں کے کالج کے پرنسپل کی تصدیق ہونی چاہیے، براہ کرم آپ اس معاملے میں جو بھی امداد کر سکتے ہوں وہ کیجیے۔ میں نے ان کو ان کے بھائی کی وفات کی اطلاع نہیں دی ہے کہ شاید وہ گھبرا کر یہاں چلے ہیں۔ ویسے بھی وہ اگست کے وسط میں یہاں آرہے ہیں۔

اپنی خیریتِ مزاج سے مطلع فرماتے رہیں۔ میری حالت تو یہ ہے۔

خارِ فراق دل میں ہے، سوزشِ جگر میں ہے
اب جانیے کدھر کہ خلش "دونوں گھر" میں ہے

دعا فرمایئے کہ خدا ہم لوگوں پر رحم فرمائے (۳۷)

آپ کا
اختر

----

(۱۷)

جونا گڑھ
۱۷ ستمبر ۱۹۴۶ء

شفیقِ محترم زاد الطافکم - السلام علیکم

خیریت دارم و خواہم۔ آپ کے تینوں نوازش ناموں مورخہ ۲ و ۱۸ اگست اور ۲ ستمبر کا جواب جلد نہ دے سکا۔ گوناگوں مصروفیتیں، موجودہ خانگی حالات و افکار زیادہ تر اس تاخیر کا باعث ہیں۔

آپ کی ہر تحریر میرے لیے باعثِ تفریحِ دماغ و سکونِ قلب ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح آپ کی تعزیت نے اپنے مخصوص پیرائے میں میرے لیے بہت کچھ سکون خاطر کا سامان فراہم کیا۔ لیکن آہ ہمارے آپ کے حادثے ایسے نہیں ہیں جن کو ہم کبھی بھول سکیں۔ آپ نے اپنے گھر کی حالت کا جو نقشہ پیش کیا ہے قریب قریب وہی حالت یہاں بھی ہے۔ اس غمِ جانگزا نے میری دونوں بیویوں کو صاحب فراش کر دیا ہے۔ مرحومین کے گھر کے لوگوں کی حالت ان سے بھی ابتر ہے۔ اس کا اثر میرے بچوں کی غور و پرداخت اور صحت و تعلیم و تربیت وغیرہ پر پڑ رہا ہے اور ان سب کے مجموعی اثرات نے میری صحت اور دماغی حالت کو معرضِ خطر میں ڈال رکھا ہے، عزیزہ سیدہ بہن کی حالت بہت قابلِ رحم ہے۔ اصلاحِ حال کی کوشش تو انسان جب کر سکتا ہے کہ وہ اپنے آپے میں ہو۔ حتی الامکان آپ پر ان کی دلجوئی فرض ہے۔ اس آڑے وقت میں مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے تسلی و تشفی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہمارے گھر میں اس وقت بکثرت تلاوتِ قرآن نے

تسکین بخش فضا پیدا کر دی ہے کہ اس میں ایصالِ ثواب کا بھی ایک بہت بڑا پہلو ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خدا کے ذکر سے دلوں کو راحت ہوتی ہے۔

میرے برادر نسبتی فصیح الدین غوثی انجینرنگ کالج میں داخل ہونے کے لیے ۲۵ ستمبر کو روانہ ہوں گے۔ پچھلی مرتبہ جب وہ گئے تھے تو یہیں کے ایک طالب علم کے پاس ٹھہرے تھے مگر چونکہ اب وہ طالب علم تعلیم ختم کرکے واپس آگئے ہیں اس لیے ان کے لیے داخلے سے قبل چند روز آپ ہی کو انتظام کرنا ہوگا۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ سیدھے آپ ہی کی خدمت میں حاضر ہوں۔

چند روز ہوئے ولی گجراتی پر ایک مضمون لکھ کر روانہ ہو چکا ہوں امید ہے کہ مل گیا ہو گا۔ مصنف شمارہ نمبر ۱۵ کی نسبت آئندہ خط میں عرض کروں گا۔ میرے پاس مصنف شمارہ نمبر میرے گھر کے سیانے چوہوں نے اس قدر پڑھ ڈالا ہے کہ اب وہ مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ براہ شمارہ نمبر ۱۴ کی ایک اور کاپی جلد ارسال فرمادیں۔ مصنف بابت جولائی شمارہ نمبر ۱۵ کی ایک کاپی ذیل کے پتے پر بھیج دیں۔

سید منظورالحسن صاحب علوی عرف حسینی پیر صاحب

سید واڑہ ، آسٹوریا گیٹ - احمد آباد

آپ ذرا رجسٹر دیکھ کر بتائیے کہ میرے نام مصنف کا سال کب ختم ہوتا ہے - تاکہ نذرانہ پیش کر دوں۔

اپنی اور متعلقین کی خیریت سے مطلع فرمائیں۔

ہمیشہ آپ کا

اختر

---

(۱۸)

فرنٹیر میل

۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء

محبِ محترم - السلام علیکم

مؤدت نامہ بمبئی میں مل گیا تھا۔ شکریہ - کل شام کو بمبئی سے دہلی جانے کے لیے نکلا ہوں - چار روز دہلی میں مسٹر چندریگر (۳۹) کے پاس قیام رہے گا - ارادہ ہے کہ ایک دن کے لیے آپ سے بھی نیاز حاصل کروں۔ میاں فصیح الدین اب امتحانات سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔ ان سے بھی کہہ دیں کہ میں آ رہا ہوں۔ میرے ہمراہ دو رفیقان سفر بھی ہوں گے - اگرچہ یہ ملاقات

صرف " طائرانہ " ہو گی لیکن مجھے ۳۰ تک گھر پہنچنا ہے۔ اس لیے بہ مجبوری لایترک کلہ مالا یدرک کلہ - غالباً بدھ کو علی گڑھ کے لیے نکل سکوں گا۔ امید کہ آپ مع اہل و عیال خیریت سے ہوں گے۔ اظہر میاں کو سلام۔

آپ کا
اختر

---

(۱۹)

جوناگڑھ
دسمبر ۱۹۴۷ء

صدیقِ مکرم۔ السلام علیکم

تین کرم نامے لاجواب پڑے ہوئے ہیں - کچھ ناسازیِ طبع کچھ مصروفیات اور کچھ غم دوستان باعث تاخیرِ جواب ہیں۔ میرے محترم دوست حضرت نظام الدین قریشی صاحب مدیر اخبار " دین " احمد آباد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ایک زبردست محبت کرنے والا - میری علمی کاوشوں کا مداح اور زندگی کے نازک لمحات میں مجھے سنبھالنے والا اٹھ گیا۔ افسوس ! (۴۰)

" مصنف " مل چکا ہے - بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک پڑھ لیا گیا ہے۔

مخلص :
اختر

---

(۲۰)

کراچی
۸ فروری ۱۹۴۹ء

محبِ محترم - السلام علیک

آپ کا مکتوب گرامی کئی دن ہوئے مل چکا تھا - لیکن آئے دن کی پریشانیوں اور مصروفیتوں میں جواب لکھنے سے قاصر رہا۔ قریشی صاحب (۴۱) سے تین مرتبہ ان کی قیام گاہ پر جو تقریباً ڈیڑھ میل دور ہے مل چکا ہوں اور ان کی وساطت سے ڈاکٹر ناظم صاحب (۴۲) سے ، مؤخرالذکر محکمۂ آثارِ قدیمہ کے ڈائریکٹر ہیں اور میرے بھی شناسا ہیں۔ ان کے ہاں کوئی مستقل جگہ نہیں ہے - اس لیے انھوں نے صرف تین ماہ کے لیے کتبات پڑھنے کے سلسلے میں سو روپے کی ایک عارضی جگہ کے لیے کہا - لیکن میں اس قدر ارزاں فروشی کے لیے تیار نہ ہوا (۴۳) خدا

مسبب الاسباب ہے ، کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ انشاء اللہ ۔ ملاقات سے پہلے قریشی صاحب سے جو "حسنِ ظن" تھا وہ اب "عقیدت" تبدیل ہو گیا ہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

اس جہالت و ذلالت آباد میں ان کی موجودگی اور گاہے ماہے ان کی پر لطف صحبت میرے لیے بسیار غنیمت ہے ، اگرچہ میں خود بھی ایک عرصے سے علمی مشاغل سے بالکل دور ہونے کے باعث بالکل "کورا" ہو گیا ہوں۔

مکان ڈھونڈنے سے نہ ملا۔ پر نہ ملا ۔ حسین و جمیل ، زشت و کرخت ہر قسم کے "مساعی کر ڈالے مگر کامیابی نہ ہوئی ، آخر ایک بچپن کے ہم سبق لنگوٹیے یار ایک "متمول میمن تاجر" کی شکل میں مل گئے۔ بڑی ہمدردی کی اور اپنے فلیٹ میں دو کمرے صرف ۱۲۰۰ کی "پگڑی" پر بطور "مفت کرم داشتن" دے دیے ہیں ، اسی میں گزر ہو رہی ہے ، ان کی ہمسائیگی بہت مفید ثابت ہو رہی ہے۔ پگڑی کی رسم "مٹھائی" کے مترادف ہے۔ اور سندھ کا "پگڑ" بہت مشہور ہے۔ فی الحال ایسے کمروں کی "پگڑی" ڈھائی ہزار سے کم نہیں ہوتی ۔ کرایہ مزید برآں اور "الاٹمنٹ" کا خدشہ ہر وقت لگا ہوا!

آپ نے عباسی و کوثر صاحب کے پتے دریافت فرمائے تھے ، یہ دونوں یہاں آ گئے ہیں ۔ مؤخرالذکر میرے بھتیجے ہیں۔ ان دونوں کو کچھ لکھنا ہو تو میرے ہی پتے پر تحریر فرمائیں، میں ان کو پہنچا دوں گا۔

امید ہے مزاج شریف بخیر و عافیت ہو گا۔ حضرت قبلہ نو' صاحب کی خدمت میں آداب گھر میں اور بچوں کو دعا۔

یہاں چیف کنٹرولر آف ایکسپورٹ اینڈ امپورٹ کے محکمے میں تین چار ہزار حضرات یو ۔ پی کے اور علیگ ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

کرامت اللہ ۔ نصر اللہ ۔ خلیل اور محسن اگر ان میں سے کسی کو جانتے ہوں اور سفارش کر سکتے ہوں تو فوراً مطلع فرمائیے ۔

ہمیشہ آپ کا
اختر

---

(۲۱)

کراچی

۲۸ مارچ ۱۹۴۹ء

صدیقِ مکرم ، السلام علیکم

مدت سے آپ نے یاد نہیں فرمایا ، خدا کرے کہ آپ مع متعلقین خیر و عافیت سے ہوں ادھر میں پچھلے دو ماہ سے دو بچوں کے ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو جانے سے سخت پریشان رہا- الحمد للہ کہ اب وہ دونوں بمقرین صحت ہیں-

مکان کم از کم پڑ رہنے کو مل گیا ہے- تلاش معاش کی سرگردانی ہنوز باقی ہے- قریشی صاحب سے تین چار مرتبہ ملاقات ہوئی- ان کے ذریعے ناظم صاحب سے بھی ملا - مگر یہاں صوبہ پرستی کا مرض اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ایک دور افتادہ کاٹھیاواڑی کے لیے اپنا راستہ نکال لینا سخت دشوار امر ہے- بہرحال اب تک اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہوئی- حلیم صاحب (۴۴) سے ملنے کی جرأت نہیں ہوتی- یہاں کی زمین و آسمان سب بدلے ہوئے ہیں-

مسٹر ایم - بی احمد یہاں مجلسِ دستور ساز کے ناظم ہیں- فی الحال ان کے پاس ایک ریسرچ کا شعبہ (آئینِ اسلامی کے مطابق دستور سازی کے لیے) کھل رہا ہے- میں نے درخواست دی ہے اگر آپ کے براہ راست یا بالواسطہ مراسم ہوں اور آپ کو کوئی خاص تکلف نہ ہو تو میرے لیے سفارش بہم پہنچائیں (۴۵)-

مجھے معنف کے ان پرچوں کی ضرورت ہے جن میں ولی سے متعلق مضامین شائع ہوئے ہیں- اگر آپ بھیج سکیں تو بڑا کرم ہو گا- حضرت نواب صاحب قبلہ کو میری طرف سے آداب عرض کریں-

گھر میں اور بچوں کو میری طرف سے دعا-

آپ کا مخلص واثق :
اختر

---

(۲۲)

۱۰ اپریل ۱۹۴۹ء

محبِ مکرم ، السلام علیکم

محبت نامہ مؤرخہ ۳ اپریل ۷ کو پہنچا اور مجھے کل شام کو دستیاب ہوا - آپ کی "کوتاہ قلمی" آپ کی دلی محبت اور خلوص کے منافی نہیں کہی جا سکتی- بہرحال تجربہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ "تضادِ خیال و عمل انتہائے خلوص کی بنا پر ہے" اور آپ کے اس خیال سے مجھے پورا اتفاق ہے- خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ کے خلوص و عملی ہمدردی کا امتحان ہو چکا ہے- میرے خیال میں تو

آپ کے اس " اعتذار " کی بھی ضرورت نہ تھی۔

حضرت قبلہ نواب صاحب مدظلہ کی ہمدردی کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں ؟ شاید ان سے میری " انتہائی عقیدت " کا یہ " خراج " ہے جو مجھ اس کی صورت میں مل رہا ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ موصوف کو اس حسنِ سلوک۔ کی جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت موصوف کے سفارش نامے کی نقلیں اگر براہ راست پہنچتیں تو زیادہ مفید ثابت ہوتیں۔ اس لیے ایک نقل ہمرشتہ ہذالملفوف ہے تاکہ براہ راست مسٹر ایم ۔ بی احمد کو بھیج دی جائے۔ اس کے بعد ہی ان سے میرا ملنا مناسب ہے۔ ڈاکٹر معین الحق صاحب (۴۶) کو بھی آپ ہی دو لفظ تحریر فرما دیں تو بہتر ہو گا۔

آج کل ایک تجربہ یہ بھی ہو رہا ہے کہ ہمارے مغربی تعلیم یافتہ بھائی یہاں آکر کچھ ایسے افرنجیت مآب اور اخلاقِ اسلامی بلکہ ہندی تک سے اس حد تک منحرف اور معریٰ ہو گئے ہیں کہ اچھے اچھوں کی رسائی ان تک نہیں ہونے پاتی اور اگر کسی سے ملتے ہیں تو اس قدر متکبّرانہ اور اعزازی انداز سے کہ پھر کسی کو دوبارہ ان کے پاس جانے کی ہمت اور ان سے ملنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

حضرت قریشی صاحب سے تقریباً ایک ماہ سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ پرسوں ملنے گیا تھا ۔ معلوم ہوا کہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ پھر ملنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے ان کے صدقِ مقال اور ایفائے عہد پر یقین محکم ہے اور میرے دل میں ان کی وقعت کچھ آپ سے کم نہیں ہے۔
باری صاحب (۴۷) سے ملنے کی کوشش کروں گا۔ واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔ لیکن میں جو یکسر تمام دلچسپیوں سے عرصے سے محروم ہو چکا ہوں شاید ہی ان کی صحبت سے محفوظ ہو سکوں۔

آپ سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے لیکن " زمین سخت اور آسمان دور " کا مضمون ہے۔ اس لیے سردست آپ کا " خیال " ہی کافی ہے جو اس بے کسی میں بھی برابر آئے جاتا ہے ۔۔بیگم اور بچوں کو دعا

آپ کا
اختر

---

(۲۳)

کراچی،
۱۳ اگست ۱۹۴۹ء

صدیقِ محترم ، السلام علیکم

مؤدت نامہ موجبِ انبساطِ خاطر ہوا- مبارک باد کا شکریہ مولوی صاحب قبلہ (عبدالحق صاحب) کو دکھایا ، وہ آپ کو " سرسیّد ثانی " کہتے ہیں " مادّی اور روحانی فوائد " پر انھوں نے قہقہہ لگایا- " مادّی فوائد " اس وقت " معرضِ بحث میں ہیں- دیکھیے کیا طے ہوتا ہے- پانچ سو کا وعدہ تھا اور اب انھوں نے دو مہینے تین سو کے حساب سے دیے ہیں- چہ خورد بامداد الخ کا سوال در پیش ہے - اگر وعدہ پورا کریں تو بآسانی " گذر اوقات " ہو سکتی ہے(۴۸) صحت جواب دے رہی ہے ، دو ماہ سے قلب کی شکایت ہے- جب ہر چیز " مقلوب " ہے تو اس انقلاب کی لپیٹ سے قلب کب تک غیر منقلب رہ سکتا ہے؟ " ہم بھی کیا یاد کریں گے... "

" مصنف " کے دونوں پرچے مل گئے - بہت بہت شکریہ ، اس کی جوانامرگی اور آپ کی - ہماری بے بسی کا نقشہ ، آنکھوں میں پھر گیا- تاہم اس کی شش سالہ ادبی خدمات کسی بست سالہ اور چہل سالہ مجلدات پر بھاری ہیں-

مولوی صاحب آپ کو کچھ تکلیف دینا چاہتے ہیں- وہ یہ ہے کہ انھیں سیّد محمود مرحوم کے متعلق سرسیّد کے اس مضمون کی ضرورت ہے جو انھوں نے اول الذکر کی صفائی میں انسٹی ٹیوٹ گزٹ بابت ۱۸۹۴ء کے آخیر ، یا ۱۸۹۵ء کے شروع میں چھپوایا تھا- اخبار کی فائلیں علی گڑھ میں موجود ہیں- اگر فرصت ہو تو خیر ورنہ کسی کو معاوضہ دے کر اس کی تلاش کرائیں اور مل جائے تو نقل کراکر بھیج دیں - جسٹس محمود پر مولوی صاحب ایک مفصل مضمون لکھ رہے ہیں- اگر مطلوبہ مضمون مل جائے تو اس میں جان پڑ جائے- بہرحال اس کام کو آپ کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا- براہ کرم مسلم یونیورسٹی اور کانفرنس بک ڈپو کی فہرستیں بھجوائیے- انجمن کا کتب خانہ تیار ہو رہا ہے- اس کے لیے بہت کتابوں کی ضرورت ہے- کیا عبدالحق بغدادی مرحوم کی کتابیں مل سکتی ہیں؟

امید ہے کہ آپ مع متعلقین ، خیر و عافیت سے ہوں گے گھر میں سلام و دعائے خیر- بچوں کو دعا-

مخلص:
اختر

---

(۲۴)

کراچی
۲۰ اگست ۱۹۴۹ء

مشفقی و مکرمی- السلام علیک

مودّت نامے نے ممنون و مسرور فرمایا ۔ کانفرنس کی مطبوعات کی فہرست بھی مل گئی ۔ میرے لیے "یادِ ایام" (۴۹) مصنفہ مولوی عبدالحی کی ایک جلد بھجوائیے۔ مولوی صاحب قبلہ نے فرمائش کی ہے کہ خطباتِ عالیہ (۵۰) تین جلد انجمن کے کتب خانے کے لیے اگر ممکن ہو تو بلا قیمت بھیجی جائیں۔ ان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ ۹۴، و ۹۵ء کے گزٹ میں ان کا مطلوبہ مضمون نہ مل سکا ۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے ٹھیک یاد ہے کہ وہ مضمون انھی سنین میں میرے سامنے لکھا گیا تھا اور چھپا تھا ۔ بہرحال ان کا اصرار ہے کہ اس مضمون کی تلاش کی جائے ۔ اس کے لیے آپ کو دوبارہ تکلیف دی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ ان سنین سے دو ایک سال قبل یا بعد کے کسی پرچے میں یہ مضمون چھپا ہوا ۔ آپ ضرور کوشش فرمائیں۔

جلسۂ شوریٰ کی کیفیت نہایت دل شکن ہے۔ مولانا نے آپ کا خط پڑھا اور اس روداد کو معلوم کرکے بہت افسوس کیا ۔ شاید انھی دنوں کے متعلق حضرت اکبر نے پیشین گوئی کی تھی: ہنس کے بولا وہ شوخ ردمن میں : (۵۱)

اس مہینے کے وسط سے میرا تقرر بطور مددگار معتمد چار سو پر ہوا ہے اور پچھلے ڈھائی مہینوں کی تنخواہ بھی اسی حساب سے ادا کی گئی ، فالحمد للہ علی ذالک۔

؎ خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

رسالۂ اردو کا غلط نامہ ملفوف ہے۔ یہاں کتابوں کا قحط ہے۔ اس لیے یاد اور حافظے سے جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں غلطیوں کا رہ جانا ممکن ہے۔ میرے تبصرے میں بعض غلطیاں رہ گئی تھیں۔ لاہور سے ہاشمی صاحب (۵۲) نے بھی طباعت کی بعض غلطیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ غلط نامہ چھپوا دیا جائے۔

"معاشیات" اس ماہ سے جاری ہو گیا ہے ، ایک نسخہ ارسال خدمت ہے۔ دو تین ماہ کے بعد "سائنس" نکل رہا ہے ۔ انشاء اللہ دسمبر تک "تاریخ و سیاست" بھی نکلنے لگے گا ۔ یہ سب رسائل میرے سپرد کیے گئے ہیں۔ کام بہت زیادہ رہتا ہے۔ دفتری کام کی کثرت علمی کاموں میں حارج ہوتی ہے(۵۳)

مجھے کانفرنس بک ڈپو کی فہرست کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کے ہاں کتابوں کی فروخت جاری ہو تو فہرست جلد بھجوائیے۔ مولوی عبدالحق بغدادی مرحوم کا عربی کتابوں کا ذخیرہ جو آپ کے ہاں پڑا ہوا ہے کیا اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا؟ اگر اس کی فہرست تیار کرا کر بھیج سکیں اور اس کو نکالنے کا ارادہ ہو تو ہم انجمن کی طرف سے اس کو خرید لیں۔ بلااقساط بھیجی جا سکتی ہیں۔ یا پھر براہ بمبئی۔ اس مسئلے کو سوچیے اور جواب دیجیے(۵۴)

قریشی صاحب مدت سے نہیں ملے۔ چار ماہ پیشتر ان کے ہاں گیا تھا مگر وہ شہر سے باہر گئے

ہوئے تھے۔ معلوم نہیں آج کل کہاں ہیں - امید ہے آپ مع اہل و عیال بخیر و عافیت ہوں گے۔
گھر میں اور بچوں کو دعا

مخلص :
اختر

---

(۲۵)

کل پاکستان انجمن ترقی اردو ہسپتال روڈ کراچی نمبر۱ فون نمبر ۲۷۸۴۔
مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۵۰ء

برادرِ عزیز و گرامی - السلام علیکم

مودت نامہ مورخہ ۲۴ کل صبح کی ڈاک سے پہنچا- احوالِ خیریت مآل سے مطلع ہوا(۵۵) خدا کے فضل و کرم سے اب طبیعت بمقرینِ صحت ہے - اگرچہ شکایتِ جاریہ بدستور ہے- کچھ عمر کا تقاضا ہے اور کچھ اس ماحول کا جس میں آج کل زندگی بسر ہو رہی ہے- خدا کرے میری زندگی سے آپ کی زندگی میں اضافہ ہوتا رہے لیکن میری زندگی تو آپ ہی ایسے محبانِ باصفا کی خوش و خرّم زندگی کی محتاج ہے- اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے بہترین زندگی عطا کرے-

آپ کے مشاغل کا حال معلوم ہوا - امید ہے کہ دونوں سلسلے بخوبی چلتے رہیں گے- اس بات سے خوشی ہوئی کہ آپ دسمبر کے پہلے ہفتے میں کراچی تشریف لا رہے ہیں اور زیادہ قیام کر سکیں گے ، نواب زادہ صاحب میرے بھی پرانے شناسا ہیں (۵۶)

بچوں اور ان کی ماؤں کی طرف سے بیگم صاحبہ کو سلام و دعا بچوں کو پیار ساجد میاں (۵۷) کو میری طرف سے دعا-

آپ کا مخلص :
اختر

---

(۲۶)

یونیورسٹی آف سندھ - ڈیپارٹمنٹ آف مسلم ہسٹری حیدرآباد- (سندھ)
۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء
اشد ضروری

شفیقِ محترم سیّد صاحب زاد کرمہ السلام علیکم

میں ۱۹ جولائی کو یہاں پہنچ گیا- آج کل کافی مصروفیت ہے(۵۸)- ۲۸ کو وہاں آنے کا

ارادہ ہے- عید کی چھٹیوں میں چند روز وہاں رہوں گا- برخوردار محمد اختر کو وہاں سے ساتھ لایا ہوں- وہاں ان کی پڑھنے کی طرف سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی تھی- چونکہ گھر میں کوئی نگرانی نہیں ہو سکتی تھی - اس لیے مناسب سمجھا کہ وہ یہیں تعلیم حاصل کریں- گورنمنٹ کالج (والصحیح : گورنمنٹ ہائی اسکول) میں داخلے کی اجازت اس شرط پر ملی ہے کہ چند روز میں سرٹیفکیٹ پیش کیا جائے اور ضروری ہے کہ اس پر ایجوکیشنل انسپکٹر کے دستخط بھی ہوں - براہ کرم آپ سندھ مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب (مسٹر سید ناصر حسین) سے مل کر سرٹیفکیٹ بھجوا دیں تو بڑا کام ہو جائے - محمد اختر ساتویں جماعت میں پاس ہو کر آٹھویں میں داخل ہوئے ہیں-یہاں ان کو پانچویں درجے میں داخل کیا جائے گا جو آٹھویں جماعت کے برابر ہے- سرٹیفکیٹ کی فیس آپ دے دیں - میں وہاں آ کر آپ کو ادا کر دوں گا(۵۹)- ہیڈ ماسٹر کے نام درخواست ملفوف ہے- براہ کرم اس میں حتی الامکان عجلت سے کام لیں تاکہ بچے کا داخلہ ہو جائے- امید ہے کہ آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں گے چونکہ صوبہ کراچی سے صوبہ سندھ میں تبدیلی ہو گی اس لیے ایجوکیشنل انسپکٹر کا سرٹیفکیٹ لازمی ہے(۶۰)- آپ مقصود حسن خاں صاحب سے لے سکتے ہیں-

آپ کا:

اختر

---

(۲۷)

یونیورسٹی آف سندھ - ڈیپارٹمنٹ آف مسلم ہسٹری - حیدرآباد (سندھ)

۱۴ اگست ۱۹۵۵ء

برادرِ شفیق و محترم زاد کرمہ - السلام علیکم

سخت افسوس ہے کہ آپ گھر پر تشریف لائے اور میں موجود نہ تھا اس لیے آپکی ملاقات سے محروم رہا- انشاء اللہ آئندہ سیچر کو حاضر خدمت ہوں گا- (۶۱) میں شام کو تین بجے پہنچوں گا- اور پانچ بجے تک حاضر ہو سکوں گا - تکلیف کے لیے معافی چاہتا ہوں-

آپ نے سرٹیفکیٹ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائی اس کا بے حد ممنون ہوں- لیکن آپ کی وہ زحمت اکارت ہو گئی - افسوس ہے کہ وہ (کاغذ) غائب ہو گیا اور تلاش کے باوجود نہیں مل سکا- میں نے اپنے بیگ میں اسے رکھ لیا تھا -یہاں آکر دیکھتا ہوں تو ندارد- میں نے گھر پر بچوں کو لکھ دیا ہے کہ وہ تلاش کرکے بھیج دیں اور اگر نہ ملے تو آپ کو اطلاع کریں- امید ہے آپ ضرور مزید زحمت گوارا فرمائیں گے-

مقالہ تیار ہے لیکن اس کی ترتیب اور تہذیب ہو رہی ہے- حتی الامکان جلد حاضر خدمت

کروں گا۔ (۶۲)

آپ سے بہت سے باتیں کرنی تھیں۔ افسوس

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی ان سے ملاقات نہ ہونے پائی

یار زندہ صحبت باقی (۶۳)

آپ کا:
اختر

---

(۲۸)

حیدرآباد (سندھ)
۵۔ اگست ۱۹۵۵ء

عزیز و محترم بھائی سیّد صاحب - السلام علیکم

کرم نامہ پہنچا، ممنون فرمایا - سرٹیفکیٹ یہاں کاغذات میں گم ہو گیا تھا۔ آج اتفاق سے مل گیا ہے اس لیے آپ دوسرے سرٹیفکیٹ کی تجویز نہ کریں۔ کل سے مجھے Anginus کا دورہ پڑ رہا ہے۔ آج شام تک اچھا ہو گیا تو انشاء اللہ کل شام تک ضرور حاضر ہو سکوں گا(۶۴)۔ امید ہے آپ مع متعلقین خیر و عافیت سے ہوں گے۔ بستر پر پڑے پڑے، یہ خط آپ کو لکھا ہے۔

آپ کا:
اختر

حواشی

(۱) گہوارۂ علم و ادب علی گڑھ میں ذوقِ علمی کی زوال پذیری سے متاثر ہو کر راقم نے ۲۵ - اگست ۱۹۴۱ء کو ایک " مجلسِ مصنفین " قائم کی جس میں ہر ماہ علی گڑھ اور بیرون علی گڑھ کے منتخب اہلِ علم حضرات اپنے نتائجِ تحقیق علمی مقالوں کی شکل میں پڑھ کر سناتے تھے- ان پر آزادانہ نقد و تبصرہ ہوتا اور پھر یہ مقالے سہ ماہی رسالۂ " مصنف " میں جو خاص اسی ضرورت کے لیے راقم کی ادارت میں فروری ۱۹۴۲ء سے جاری کیا گیا تھا شائع کیے جاتے تھے - ۱۴ مئی ۱۹۴۶ء تک مجلسِ مذکور کے ۶۱ نہایت کامیاب جلسے اور ستمبر ۱۹۴۸ء تک " مصنف " کے ۲۲ شمارے شائع ہوئے-

(۲) علّامہ میمن عبدالعزیز ساکن راج کوٹ (کاٹھیاواڑ) عربی ادب کے فاضلِ یگانہ ، سابق چیرمین عربک ڈیپارٹمنٹ ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ، ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ریسرچ گورنمنٹ آف پاکستان کراچی - آپ مجلسِ مصنفین کے معزز رکن تھے اور آپ ہی کی تحریک پر میں نے قاضی صاحب کو پہلا خط لکھا تھا-

(۳) حادثۂ جانکاہ میری ایک جواں سال حقیقی بہن کے انتقال کا تھا- قاضی صاحب نے " مصنف " میں میرے جس ادارتی شذرے کا نوٹس لیا ہے حسب ذیل تھا:

" دردِ دل لکھوں کیونکر ، جاؤں ان کو دکھلادوں
انگلیاں فگار اپنی ، خامہ خوں چکاں اپنا

یہ سہ ماہی اچھی نہیں گذری - ایک حادثۂ جانکاہ نے اس قدر دل تنگ رکھا کہ زندگی زندانِ غم بن گئی ، لیکن اس روح فرسا سانحے کا تعلق چونکہ محض میری ذات تک محدود ہے ، اس لیے آدابِ صحافت اس کی اجازت نہیں دیتے کہ " مصنف " جیسے علمی و قومی آرگن کے صفحات اس کے ذکر سے سوگوار کیے جائیں-

ایک " کاروباری انسان " کا تارِ نفس چاہے کس قدر ہی " شکارِ اثر " کیوں نہ ہو، اس کو چاہیے کہ صرف کام کیے جائے- دنیا اس سے اس کے کامیاب نتائج مانگتی ہے اور بس ! مصائب و آلام سے ہمدردی کی جائے گی لیکن ایک دن کے ہرج کا بھی ہرجانہ ضرور دینا ہو گا-

الغرض جب صورتِ حال یہ ہو تو مجلسِ مصنفین کے جلسوں کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہیے اور " مصنف " نمبر ۷ کی اشاعت بھی وقت پر ضرور ہونی چاہیے-

یہ سب کام سخت انہماک ، جوش اور زندہ دلی کا مظاہرہ چاہتے ہیں ، ورنہ ع

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

لہٰذا کیا مجال جو ادائے فرض میں کوتاہی ، طبیعت میں اضمحلال اور چہرے پر پژمردگی ظاہر ہو- کام ہو گئے اور ہوتے رہیں گے- ان کی تعریف ہو رہی ہے اور تعریض بھی ، اور دونوں صورتوں کا کامیاب مقابلہ بھی جاری ہے-

یہ ہے انسان اور اس کی زندگی - سچ ہے " انسان کی زندگی کائنات کا سب سے زیادہ پوشیدہ راز ہے"-

(۴) مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی ، استاد دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، ۳۱ فروری ۱۹۴۸ء کو انتقال ہوا- مجلسِ مصنفین کے رکن تھے - علم ہیئت و نجوم سے خاص ذوق تھا- علّامہ بیرونی کے قانونِ مسعودی کے کچھ اجزاء کا اردو میں ترجمہ کیا تھا-

(۵) از مسلم عباسی بی اے (علیگ) رئیس گورکھپور-

(۶) از ڈاکٹر راجہ غلام سرور سابق استاد شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی ، حال پروفیسر کراچی یونیورسٹی - مجلسِ مصنفین علی گڑھ کے سرگرم کارکن تھے-

(۷) ڈاکٹر عبداللہ چغتائی سابق ریسرچ آفیسر دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونا حال مقیم لاہور-

(۸) خود نوشت سوانح حیات سرسید رضا علی مرحوم-

(۹) سید اظہر حسین رضوی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) سابق ایڈیٹر روزنامہ جناح حیدرآباد دکن ، حال مقیم کراچی - عزیز موصوف حکیم سید شمس اللہ قادری مرحوم ایڈیٹر " تاریخ " حیدرآباد دکن کی تشویق پر تکمیل تعلیم کے لیے علی گڑھ آئے تو چار سال تک راقم سے وابستہ رہے- کبھی کبھی " مصنف " کے لیے کتابوں کے تبصرے لکھتے تھے اور مجلسِ مصنفین کے جلسوں میں شرکت کی بھی انھیں اجازت خاص حاصل تھی-

(۱۰) " مصنف " بابت جنوری ۱۹۴۵ء میں یہ مضمون شائع ہوا اور مقبول ہوا-

(۱۱) شذراتِ " معارف " بابت جنوری ۱۹۱۸ء کا تراشہ قاضی صاحب نے ارسال فرمایا جو زیرِ عنوان " اردو نثر کے بہترین نمونے " مصنف اکتوبر ۱۹۴۶ء تا جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا-

(۱۲) راقم نے اپنے نیازنامے میں انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس جونا گڑھ میں کیے جانے کی تحریک پیش کی تھی-

(۱۳) " مجلسِ مصنفین " اور " مصنف " کے دفتر " بیت المصنف " کی رسم افتتاح ۷ نومبر ۱۹۴۴ء کو خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی کے ہاتھ سے ادا کرائی گئی- اس موقعے پر درج ذیل سپاس نامہ راقم نے پیش کیا جس کی حضرت قاضی صاحب داد دے رہے ہیں:-

سپاس نامہ

" سرسید اور ان کے نورتن محسن الملک ، وقار الملک ، مولانا حالی ، علامہ شبلی ، مولوی سلیم پانی پتی ، ڈاکٹر نذیر احمد ، مولوی ذکاء اللہ ، مولوی چراغ علی اور نواب عماد الملک نے ہندوستان کے سب سے بڑے تعلیمی و ثقافتی مرکز علی گڑھ کی ترقی پسند علمی و تحقیقی روایات کا آغاز کیا۔

عہد ثانی کے نورتن نواب صدر یارجنگ بہادر ، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں ، مولوی عبدالحق ، مولانا طفیل احمد ، مولانا ظفر علی خاں ، سجاد حیدر یلدرم ، مولوی عزیز مرزا اور مولوی عنایت اللہ نے روایاتِ مذکورہ کو قائم و ترقی پذیر رکھا۔

تیسرے دور کے نورتن رشید احمد صدیقی ، عبدالماجد دریا بادی ، خواجہ غلام السیدین ، ڈاکٹر عابد حسین ، ہاشمی فرید آبادی ، ڈاکٹر ذاکر حسین ، پروفیسر حبیب ، قاضی تلمذ حسین اور پروفیسر الیاس برنی نے علی گڑھ کی علمی و ادبی رونق کو چار چاند لگائے۔

پہلی محفل کے نورتن اپنی اپنی آب و تاب دکھا کر رخصت ہوگئے۔ دوسری مجلس کے بھی کچھ نورتن داغِ مفارقت دے گئے ۔ عہد ثالث کے نورتن اپنی پوری درخشانی و تابانی کے ساتھ ہندوستان کی دنیائے علم و ادب کو منور کیے ہوئے ہیں۔

اب چوتھے دور کا آغاز ہے۔ سپیدۂ صبح نو نمودار ہو چکا ہے۔ نئی تزئین اور نئی پھبن کے ساتھ اب نیا دربارِ علم و فن ترتیب دیا گیا ہے

دوسرے اور تیسرے دور کے بڑے بڑے ممتاز اکابر ، نمایاں نشستوں پر متمکن ہیں مگر بیچ بیچ میں بہت سی کرسیاں خالی ہیں۔

سرسید کے جانشینِ علمی اور دربارِ علم کے صدر الصدور کا
فرمان ہے کہ ان کو پُر کیا جائے۔ اور آج کے انعقادِ دربار کی یہی
غلت ہے ، کون کہاں بیٹھے اور کیا کام کرے ، یہ فریضہ ایک
" قریشی النسل حکیم دانا" کو سپرد کیا گیا۔

دربارِ علم کا نقیب (یعنی راقمِ آثم) حضرتِ " صدر الصدور"
کے ایما پر اس مبارک کام کی درخواست کرتا ہے:

بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز
مئے کہ شیشہ گدازد بہ ساغر اندازیم

(۱۴) ہزہائی نس نواب صاحب جوناگڑھ کی نقرئی جوبلی بہت دھوم دھام سے منائی جانے والی تھی۔ اس موقعیے پر میں نے کانفرنس کا ڈیلی گیشن بھیجے جانے کے متعلق قاضی صاحب کو لکھا تھا۔

(۱۵) کمال یار جنگ ایجوکیشن کمیٹی کی سفارش کی بنا پر سر عزیز الحق صاحب مرحوم کی قیادت میں جو اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا تھا ، اس کی کمیٹی کے ایک رکن قاضی صاحب بھی تھے۔

(۱۶) میں نے قاضی صاحب سے فرمائش کی تھی کہ قیام انسٹی ٹیوٹ کی تائید میں ایک مضمون ڈان دہلی میں ارسال فرمادیں۔

(۱۷) خط نمبر ۵ کے فٹ نوٹ میں راقم نے اجلاس کانفرنس کی جس تحریک کا ذکر کیا اس کو تقویت دینے کے لیے کانفرنس کے سیکریٹری نواب صدر یارجنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سے قاضی صاحب کے نام ایک ضابطے کا خط لکھوایا تھا جس کے ساتھ نواب صاحب موصوف نے حسب ذیل تحریر بھی شامل کی۔ عہدِ حاضر کے دو اساتینِ علم و ادب کا زور تحریر ملاحظہ ہو ... (یہ تحریر حاشیے سے جدا کرکے مکتوباتِ مشاہیر کے تحت درج کر دی گئی ہے۔)

(۱۸) بیگم الطاف بریلوی۔

(۱۹) ملاحظہ ہو خط نمبر ۸۔

(۲۰) " مصنف " بابت اکتوبر ۱۹۳۵ء میں قاضی صاحب کا معرکہ۔ الآرا مقالہ " دلی گجراتی " شائع ہوا اس کا حجم ۲۶ × ۲۰ سائز کے ۳۶ صفحات پر مشتمل تھا۔

(۲۱) نجیب اشرف صاحب اسمٰعیل اندھیری کالج بمبئی کے پروفیسر اور انجمنِ اسلام اردو ریسرچ اکیڈیمی بمبئی کے ڈائریکٹر ہیں۔ آج کل (۱۹۶۴ء) آپ کی نگرانی میں رسالۂ نوائے ادب، بڑی دھوم دھام سے شائع ہو رہا ہے۔

(۲۲) یہ مقالہ راقم نے آل انڈیا ہسٹری کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ علی گڑھ ۱۹۴۵ء میں پڑھا تھا۔ انگریزی متن ڈان اور ہسٹاریکل جنرل شائع ہوا۔ اردو ترجمہ مصنف بابت اکتوبر ۱۹۴۵ء میں طبع ہوا۔

(۲۳) یو پی لیجسلیٹو اسمبلی کے حلقہ بہیڑی (ضلع بریلی) و نینی تال سے امید وار ممبری بننے کے لیے میں نے یو۔پی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں لیگ ٹکٹ کے لیے درخواست دی تھی جو بورڈ مذکور کے اعلیٰ عہدہ دار کے ایک ہم برادری کے مقابلے میں مسترد ہو گئی۔

(۲۴) از مولوی عبدالشاہد خاں شروانی شائع شدہ "مصنف" بابت جنوری ۱۹۴۶ء۔

(۲۵) انیس فاطمہ بریلوی کے "مصنف" میں شائع شدہ تین مقالے (۱) جنرل بخت خاں روہیلہ (۲) حضرت محل - اودھ کی جاں باز ملکہ اور (۳) ضیاء الملک جنرل محمود خاں "۱۸۵۷ء کے ہیرو" کے نام سے کتابی شکل میں چھپ چکے ہیں۔ کتابِ مذکور پر جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں کراچی میں شائع ہوا۔ کتاب کا تیسرا ایڈیشن حال میں شائع ہوا۔ حواشی میں بہت جاندار بنیادی مواد کے حوالے سے بیش بہا اضافہ ہوا۔

(۱) شیخ ممتاز حسین صاحب جون پوری ثم لکھنوی جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس۔ نگراں روزنامہ "سرفراز" اور فن خطاطی کے مشہور ماہر۔ راقم کی دعوت پر موصوف علی گڑھ تشریف لائے اور "مجلسِ مصنفین" کے ایک خصوصی جلسے میں "خط و خطاطی اور اس کی مختصر تاریخ" کے عنوان پر ایک محققانہ اور بصیرت افروز مقالہ پڑھا جو مصنف، بابت مارچ ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ ابھی حال میں انتقال ہوا۔ آخری دم تک خدمات علمی و قومی میں مصروف رہے۔

(۲۷) موصوف "مسلمانوں کا روشن مستقبل" کے مصنف ایجوکیشنل کانفرنس اور مجلسِ مصنفین کے اکابر میں سے تھے۔ متعدد بلند پایہ مقالات مجلس میں پڑھے جو مصنف کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے۔ ۳۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو انتقال ہوا۔

(۲۸) خان صاحب میر ولایت حسین صاحب مرحوم سابق سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشنل کانفرس۔

(۲۹) زہد و ورع، صدق مقال اور صفائے کردار کے اعتبار سے نمونے کے بزرگ تھے۔

(۳۰) قاضی صاحب کا یہ مضمون "مصنف" بابت جولائی ۱۹۴۶ء کے ۱۲ صفحات میں شائع ہوا۔

(۳۱) مقالہ "حیاتِ ولی" مصنف کو طباعت کے لیے موصول نہ ہو سکا۔

(۳۲) افسوس ہے کہ قاضی صاحب کی خدمت میں جوناگڑھ جانے کی حسرت ہی رہی۔

(۳۳) مسٹر عبدالصمد خان راجستھانی جے پوری - راجپوتانہ کے مشہور سانڈنی سوار مجاہد مولوی بہلول خاں دانا کے ہمشیر زادے ہیں - جے پور کالج سے بی - اے پاس کراکر مولوی صاحب موصوف راجستھانی کو میرے پاس علی گڑھ لائے۔ دو سال میرے زیر نگرانی رہے اور امتیاز کے ساتھ ایم - اے کیا - اپنے ماموں صاحب کی طرح ریاست کے مسلمانوں کی حمایت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ اور قید و بند کے شدائد سے دو چار ہوئے۔ اس کے بعد نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور کے سیکریٹری ہو گئے اور اسٹیٹس مسلم لیگ کے کام میں انتھک کوشش کی۔ آخر میں خانگی حالات سے مجبور ہو کر ریاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ میرے پاس علی گڑھ آئے اور میں نے ان کو سفارشی خط دے کر قاضی صاحب کی خدمت میں جوناگڑھ روانہ کر دیا۔ قاضی صاحب نے ہزہائی نس کی جوبلی کی تقریب کے سلسلے میں ریاست کی تاریخ انگریزی میں لکھنے کی خدمت ان کے سپرد کرا دی۔

حسنِ اتفاق سے قاضی صاحب کے خطوط کی تلاش کے سلسلے میں مسٹر عبدالصمد راجستھانی کے چند خطوط بھی دستیاب ہوئے جن کے درجِ ذیل اقتباسات سے آں مرحوم کے احسانات پر روشنی پڑتی ہے

(الف)

ڈاک بنگلہ جوناگڑھ

۳ اکتوبر ۱۹۴۲ء

محترم بھائی! سلام و محبت۔

آپ کی توجہ نے مجھ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ آپ کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ قاضی صاحب ہمہ صفت موصوف ہیں - انھوں نے جس خلوص کے ساتھ میرے معاملات میں دلچسپی لی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ امکانات بہت ہی امید افزا ہیں۔ میری تلاش کو آشیانہ مل گیا۔ شاید خوابوں کی نئی دنیا بھی بہت ہی قریب ہو جائے

آنا نکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

میں کام میں لگ رہا ہوں - خاکہ تیار کر رہا ہوں جس کی تعمیر آپ کی توقعات کو پشیمان نہ ہونے دے گی۔ انشاء اللہ میں آپ کی توجہ کا ہمیشہ مستحق رہوں گا۔

آپ کا مخلص بھائی

عبدالصمد خاں راجستھانی

(ب)

ریسٹ ہاؤس جونا گڑھ
۲۵ نومبر ۹۴۶ ۔

محبی و مکرمی! السّلام علیکم

امید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے- اور اجلاس (کانفرنس) کے کاموں میں بہت زیادہ مشغول-یہاں بھی آج کل (جوبلی کی) بہت دھوم دھام ہے- میں نے (کتاب کے کام کے تین حصے ختم کر دیئے ہیں - ایک حصہ اور ہے اور وہ بھی چند روز میں پار لگ جائے گا! خدا کرے میری کوشش آپ کی خوشی اور قاضی صاحب کی سرخ روئی کا سبب بنے ، اور میرے مقصدِ حیات کے لیے منزل -

آپ کا مخلص :
عبدالصمد راجستھانی

(ج)

جوناگڑھ اسٹیٹ
۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء

پیارے بھائی الطاف صاحب

سلام و نیاز - میرا تقرر ڈائریکٹر آف انفارمیشن اور سیکریٹری پبلک سروس کمیشن کے عہدے پر ہوا ہے- یہ آپ ہی کی وجہ سے ہوا اس لیے آپ ہی کو مبارکباد پیش کر رہا ہوں - بعد میں تفصیلی خط لکھوں گا - قاضی صاحب سے کل ہی ملاقات ہوئی ہے ، کئی ہفتوں سے بمبئی گئے ہوئے تھے-

آپ کا بھائی
صمد

(۳۴) غبارِ خاطر ، آنریبل مولانا ابوالکلام آزاد مرکزی وزیرِ تعلیم بھارت کی مشہور و معروف کتاب قلعۂ احمد نگر کے زمانۂ نظر بندی کے اُن خطوط کا مجموعہ ہے جو موصوف نے نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے نام تحریر فرمائے تھے- کتابِ مذکور پر قاضی صاحب کی تنقید اُن کی بالغ نظری پر دال ہے - قاضی صاحب کی اسی تنقید سے متاثر ہو کر میں نے نواب صاحب کے خطوط بنام مولانا آزاد کو جمع کیا اور مولوی عبدالشاہد خاں شروانی سے اس پر مقدمہ لکھوا کر اس کا حقِ اشاعت مدینہ پریس بجنور کو دیا- آخرالذکر کتاب کا نام " کاروانِ خیال " میرا ہی تجویز کردہ تھا جس کی بابت

قاضی صاحب مرحوم نے فرمایا کرتے تھے کہ یہ "غبارِ خاطر" سے بڑھ گیا۔ حضرت نواب صاحب قبلہ نے بھی اس نام کی بہت داد دی تھی۔

(۳۵) ولی گجراتی استدراک نمبر ۲ مصنف جلد نمبر ۴ نمبر ۱۶ و ۱۷ بابت اکتوبر ۱۹۴۶ء و جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔

(۳۶) قاضی صاحب کی چھوٹی بیگم صاحبہ کے چھوٹے بھائی - علی گڑھ یونیورسٹی انجینئرنگ کالج میں تعلیم حاصل کرنے آئے تھے۔

(۳۷) اس خط نمبر ۱۹ کے بعد (یعنی ۲۵ جولائی ۱۹۴۶ء سے) قاضی صاحب کی صبحِ زندگی کا خاتمہ اور "شامِ زندگی" کا آغاز ہوتا ہے۔

آئندہ خطوط میں آپ ان کی طبیعت کی موجودہ جودت اور جولانی کو بتدریج گھٹتا ہوا پائیں گے۔ اور اس زمانے سے وہ اختلاجِ قلب کے مستقل مریض نظر آئیں گے۔

یہی حال راقم اور اس کی شریکِ حیات سیدہ انیس فاطمہ بریلوی کا ہوا، قاضی صاحب کے یہاں حادثے سے قریب ایک ماہ پہلے ۲۸ جون ۱۹۴۶ء کو ہمارے سب سے بڑے لڑکے شاہد علی کا اچانک بعمر ۱۶ سال انتقال ہوا۔ میٹرک کا امتحان دے کر نینی تال سیروتفریح کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہیں اسے بند کالرا ہوا اور چند گھنٹوں میں داغِ مفارقت دے گیا۔ بے حد ذہین، طباع، اولوالعزم، اچھا مقرر اور مضمون نگار تھا۔ اس وقت تک وہ ایم اے کر چکا ہوتا - اور برسرِکار ہو کر قوتِ بازو ہوتا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(۳۸) چند سال قبل راقم اور عزیزی سید اظہر حسین رضوی بمبئی پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے اس اجلاس سالانہ میں شرکت کرکے (جس کی صدارت جناب خان بہادر عبدالقادر محمد حسین صاحب دیوان جوناگڑھ نے کی تھی اور رسمِ افتتاح جناب نواب صاحب چھتاری صدرِاعظم حیدرآباد نے ادا فرمائی تھی) قاضی صاحب کے ہمراہ ان کے دوست سیٹھ سلطان پٹیل صاحب مرحوم کے مہمان ہوئے - ایک روز رات کو قریب بارہ بجے تک قاضی صاحب نے اپنے کلامِ بلاغت نظام سے ہم لوگوں کو مسرور و محظوظ فرمایا - عجب پُرلطف صحبت تھی۔ جب پڑھتے پڑھتے تھک گئے تو کمرے کے ایک گوشے سے آواز آئی کہ حضور! اجازت ہو تو کچھ میں بھی عرض کروں۔ یہ قاضی صاحب کے ملازمِ خاص تھے۔ جو موصوف کی صحبت میں رہتے رہتے اچھے خاصے شاعر ہو گئے تھے۔ قاضی صاحب نے اس سخن گسترانہ مداخلت کا ایک فرمائشی قہقہے سے خیرمقدم کیا اور فرمایا ہاں! ہاں! ضرور - ضرور - اس پر میں نے کہا کیوں نہ ہو۔ "قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے ہوتے

ہیں۔" میری اس پھبتی پر قاضی صاحب کے ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ گئے اور پورے کمرے میں یہ عالم تھا کہ لوٹے لوٹے پھر رہے تھے۔ اوپر کے خط میں اسی تلمیح کو سپردِ قلم کیا ہے۔

(۳۹) ستمبر ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی جو عبوری حکومت مرکز میں قائم ہوئی۔ اس میں ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء سے مسلم لیگ کے جن پانچ وزراء کا تقرر ہوا ان میں قاضی صاحب کے دوست مسٹر آئی۔ آئی چندریگر بھی شامل تھے۔ موصوف کے اصرار سے قاضی صاحب نئی دلی آکر ان کے مہمان ہوئے۔ واپسی میں ایک روز راقم الحروف کے پاس علی گڑھ میں قیام فرمایا۔ اس وقت ان کے ٹھاٹ اور شان و شوکت قابل دید تھی۔

(۴۰) مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ جناب قاضی صاحب کی تحریک پر راقم اور انیس فاطمہ کے متعدد مقالے گجراتی میں ترجمہ ہو کر اخبار "دین" میں شائع ہوئے۔ افسوس ہے کہ بالمشافہ ملاقات سے محرومی رہی۔

(۴۱) قاضی صاحب سخت بے سروسامانی میں جزیرہ "دیو" سے کراچی پہنچ چکے ہیں۔ زمین سخت اور آسمان دور ہے۔ اور بقول ان کے کل تک جو لوگ اُن کی آنکھیں دیکھتے تھے اب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ رہے ہیں۔ چونکہ قیامِ پاکستان کے ابتدائی زمانے میں علی گڑھ والوں کی بظاہر بہت رسائی اور قدر تھی اس لیے قاضی صاحب کو لکھا کہ قائد علی گڑھ خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب سے ملیں۔ میں نے قریشی صاحب کو بھی قاضی صاحب کے بارے میں لکھ دیا تھا۔ لہٰذا اس خط میں موصوف سے ملاقاتوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جناب قریشی صاحب چونکہ قدرے اطمینانی حالت میں علی گڑھ سے پاکستان تشریف لائے اس لیے کچھ عرصہ کراچی کا رنگ دیکھ کر اپنے وطن سرگودھا (پنجاب) تشریف لے گئے اور اب وہیں گوشہ نشین ہو کر یادِ خدا میں مصروف ہیں۔ افسوس ہے کہ اس زمانے میں پاکستان نے آں محترم جیسے جوہرِ قابل اور "درویش داتا" سے کوئی خدمت نہ لی۔ کانفرنس اکیڈیمی نے البتہ تین بلند پایہ کتابوں کا ترجمہ آپ سے کرایا ہے۔

(۴۲) ڈاکٹر محمد ناظم صاحب علی گڑھ کے نامور اولڈ بوائے سابق پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پاکستان میں ڈائریکٹر محکمۂ آثارِ قدیمہ کے عہدے سے ریٹائر ہو کر کراچی یونیورسٹی کے انسپکٹر آف کالجز ہو گئے تھے۔ جون ۱۹۵۵ء میں انتقال ہوا۔ عالم و محقق اور نمونے کے شریف و شائستہ انسان تھے۔

(۴۳) قاضی صاحب ریاست جوناگڑھ میں آنریری ڈائریکٹر آثارِ قدیمہ رہ چکے تھے۔ میں نے پونا اور بمبئی کے سفر میں دیکھا کہ موصوف دو دو اور تین تین سو روپے روزانہ احباب کی

تواضع ، ان کے لیے تحائف اور خریدِ کتب وغیرہ میں صرف کر دیتے تھے- یا اب یہ عالم ہے-

(۴۴) پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب - سابق پرووائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی - سندھ اور کراچی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر ہوئے- اب (۱۹۶۴ء) ریٹائرڈ ہو چکے ہیں - راقم سے موصوف کا ۱۹۲۸ء سے نہایت مخلصانہ سلوک رہا- جولائی ۱۹۵۰ء میں کراچی آکر میں بعض غلط فہمیوں کی بنا پر چار سال تک آں محترم کی بزرگانہ شفقتوں سے محروم رہا- الحمد للہ اب یہ صورت نہیں-

(۴۵) مسٹر ایم - بی احمد پاکستان بننے سے پہلے علی گڑھ میں ڈسٹرکٹ و سیشن جج تھے - آپ کی تحریک و تشویق سے علی گڑھ ہسٹاریکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا جس نے بصرفِ کثیر آپ کی ایک ضخیم کتاب کو طبع کرایا- چونکہ حضرت نواب صدر یارجنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی سے آپ کے خصوصی تعلقات تھے اس لیے موصوف کا سفارشی خط میں نے قاضی صاحب کے لیے بھجوایا-

(۴۶) سابق پروفیسر تاریخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و ریسرچ آفیسر مجلسِ دستور ساز پاکستان کراچی- آج کل آپ پاکستان ہسٹاریکل ایسوسی ایشن کے جنرل سیکریٹری ہیں- اور بفضلہٖ اپنے مشن میں کامیاب ہیں-

(۴۷) محمد عبدالباری (علیگ) مہاجرین کے مشہور و مخلص خدمت گذار - نہایت جیوٹ کے اور دینگ آدمی ہیں- قاضی صاحب جب میرے پاس علی گڑھ تشریف لائے تھے تو میں نے ملاقات کرائی تھی- اس ملاقات میں باری صاحب کی جوشیلی اور ساتھ ساتھ دلچسپ تقریر کو قاضی صاحب ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے-

(۴۸) خدا خدا کرکے قاضی صاحب کو روزگار مل گیا اور وہ کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے اسسٹنٹ سکریٹری مقرر ہو گئے اور اس خدمت کو بے مثل قابلیت کے ساتھ نومبر ۱۹۵۳ء تک انجام دیتے رہے (ملاحظہ ہو تقریرِ تعزیت مولوی عبدالحق صاحب مطبوعہ قومی زبان ۱۵ اگست ۱۹۵۵ء -)

(۴۹) شائع کردہ ادارۂ تصنیف و تالیف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس -

(۵۰) ۱۸۸۶ء تا ۱۹۲۷ء کانفرنس کے خطباتِ صدارت کا مجموعہ -

(۵۱) ۳۰ مئی ۱۹۴۸ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے زیرِ اہتمام ہندوستان کے ممتاز مسلم اکابر کا جلسۂ شوریٰ سلطان جہاں منزل علی گڑھ میں ہوا تھا - جس کی روداد میں نے " تعلیم کلچر اور زبان " کے عنوان سے مرتب کرکے ایک رسالے کی شکل میں شائع کی

تھی- ایک کاپی قاضی صاحب کو بھی بھیجی جس کا موصوف ذکر فرما رہے ہیں-

(۵۲) مشہور مصنف مولانا سید ہاشمی فرید آبادی-

(۵۳) افسوس ہے کہ انجمن سے قاضی صاحب کے قطعِ تعلق کے بعد یہ سب رسالے ایک ایک کرکے بند ہوگئے-

(۵۴) میں نے حکیم محمد شریف الزماں صاحب مرحوم سے یہ فہرست تیار کراکر روانہ کی - اس خدمت کا خیال کرکے ، حکیم صاحب کراچی آئے تو قاضی صاحب نے ان کا انجمن میں تقرر کرا دیا-

(۵۵) بھارت کی " مہربان " گورنمنٹ نے خلافِ ارادہ مجھ کو بھی ترکِ وطن کرکے براہِ بنگال کراچی آنے پر مجبور کر دیا- جہاں میں یکم جولائی ۱۹۵۰ء کو پہنچا اور قاضی صاحب کا " انجمن " میں مہمان ہوا-

" آملا پھر " سمینہ چاکانِ چمن سے سمینہ چاک

لیکن کچھ عرصہ قیام کے دوران میں لوگوں نے بتایا کہ کراچی میں نہ پانی ہے نہ مکان اور نہ روزگار ، لہذا میں اندرونِ سندھ (ٹنڈوآدم ضلع نواب شاہ) میں چلا گیا اور وہاں قریب ایک سال اپنی بربادی وخانہ ویرانی کی تکمیل کرکے دوبارہ کراچی آیا - یہ خط قاضی صاحب نے مجھے ٹنڈوآدم ہی ارسال فرمایا-

یہ دو سلسلے نجی تصنیف و تالیف اور آٹا پیسنے کی چکی کے تھے

" تھی " مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی

(۵۶) نواب زادہ مرتضیٰ خاں صاحب مرحوم آف بمبئی ، پندرہ روز میں موصوف کا دیارام گدومل روڈ جمشید کوارٹرز کراچی میں مہمان رہا اور اسی زمانے میں الحاج میجر شمس الدین محمد صادق صاحب سابق وزیرِ تعلیم بہاول پور (مقیم کراچی) مسٹر حسن علی عبدالرحمٰن بیرسٹر لنٹ لا اور مولوی سید ظفر حسین واسطی صاحب ایم ، اے ایڈوکیٹ کی گوناگوں امدادوں کی بدولت آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اور میرے مستقل قیام کراچی کی صورتیں پیدا ہوئیں - اس کے بعد قاضی صاحب سے بالمشافہ ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نامہ و پیام کی چنداں ضرورت باقی نہ رہی- تاآنکہ وہ خود حیدرآباد سندھ کو سدھار گئے جہاں سے اس مجموعے کے تین آخری خط آئے-

(۵۷) شاہد کے بعد اب میرا بڑا لڑکا-

(۵۸) سندھ یونیورسٹی میں تعطیلاتِ کلاں کے باعث ۱۸ جولائی ۱۹۵۵ء تک قاضی صاحب اپنے بچوں کے ساتھ مقیم رہے - ۹ ، ۱۴ اور ۱۶ جولائی ۱۹۵۵ء کو میری ناچیز فرمائش پر کانفرنس

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کے جلسوں میں پابندی سے شریک ہوئے اور آپ کی فاضلانہ راہ نمائی میں تصنیف و تالیف کے ایک پنج سالہ منصوبے کا خاکہ تیار ہوا - ۱۹ جولائی کو ۵ بجے شام کا آخرالذکر جلسہ خصوصیت سے یادگار ہے- جس میں مولوی شمس الدین صاحب سابق وزیر تعلیم بھاول پور و پریسڈنٹ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے دولت کدے واقع حشید گوارٹرس میں آپ نے ایک اعلیٰ درجے کا مقالہ " سرسیّد کی قلمی خدمات " کے عنوان سے پڑھا- قاضی صاحب کا راقم سے کافی عرصے سے اصرار تھا کہ علی گڑھ والی " مجلسِ مصنفین" کے طرز پر ایک محفلِ علمی کا از سرِ نو آغاز کیا جائے - جس میں مختلف موضوعات پر مقالے پڑھے جائیں اور بعد نقد و تبصرہ ان کو "العلم" میں شائع کیا جایا کرے ، مزید کرم یہ فرمایا کہ سب سے پہلے خود اپنے متذکرۂ بالا مقالے کی پیش کش فرمائی-

اس تاریخی جلسے میں میزبان محترم مولوی شمس الدین محمد صاحب کے علاوہ ڈاکٹر عبادالرحمان خاں صاحب - ڈاکٹر زبید احمد صاحب - ڈاکٹر مہدی حسین صاحب برلاس پروفیسر رشید احمد ارشد صاحب - پروفیسر جلیل الرحمٰن اعظمی صاحب- مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی - جنرل اکبر خاں صاحب- پروفیسر حبیب اللہ غضنفر صاحب - پیر حسام الدین راشدی صاحب - آغا یعقوب دواشی - سید اظہر حسین رضوی صاحب - مولوی عظیم الدین خاں صاحب- حفیظ ہوشیار پوری صاحب - انعام عظیم برنی صاحب اور خاکسار نے شرکت کی- قاضی صاحب کے مظاہرۂ علم و فن سے مستفید ہوئے اور ان کی زیارت سے آخری بار مشرّف ہونے کی سعادت حاصل کی اللہ ! اللہ ! کیسی پیاری صحبت تھی -اور کیسے اچھے لگ رہے تھے قاضی صاحب-

(۵۹) حسبِ تحریر ۲۸ جولائی تا یکم اگست کراچی پھر تشریف لائے- ۲ اگست کی صبح کو حیدرآباد واپس گئے- میں اپنے رفیقِ کار مسٹر انعام عظیم برنی ایم - اے کے ہمراہ قاضی صاحب سے عید ملنے یکم اگست کی شام کو قریبِ مغرب حاضر ہوا- معلوم ہوا کہ قبرستان اپنی مرحوم چھوٹی بیگم کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے تھے .جہاں سے موٹر رکشا پر واپس آکر ہمیں کہیں کسی سے ملاقات کرنے چلے گئے ہیں- چونکہ قاضی صاحب کی حالیہ قیام گاہ اودھارام مینشن متصل بکچر ہاؤس بندر روڈ کی تیسری منزل پر تھی جس پر ۔ کا مریض ہونے کے باعث چڑھنا اترنا میرے لیے بڑا دشوار ہوتا تھا- اس لیے نیچے سیڑھیوں پر ہی بیٹھا رہا- قریب ایک گھنٹہ انتظار کیا بالآخر مایوس اپنے مکان واپس چلا گیا - کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے ۱۶ جولائی کو " آخری ملاقات " کا قدرت کی طرف سے جو فیصلہ ہو چکا تھا وہ اٹل اور ناقابل

تنسیخ تھا۔

(۶۰) تعمیلِ فرمائش کی گئی۔ لیکن؎

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

بچہ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد پھر سندھ مدرسہ ہائی اسکول کراچی میں واپس آگیا۔ قاضی صاحب کی بڑی بیگم صاحبہ سے کوئی اولاد نہیں تھی۔ دوسری بیگم سے ابتداً لڑکیاں پیدا ہوئیں اور یہ پہلا لڑکا ہے۔ ماشاء اللہ بہت وجیہہ اور ذہین ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو مجھے لکھا کہ میں نے اس کا نام تمھارے مرحوم بچے کے نام پر شاہد اختر رکھا ہے۔ میں نے بے تاب ہو کر جواب میں لکھا کہ ایسا ہرگز نہ کیجیے۔ یہ نام نامسعود ہے۔ قاضی صاحب نے میرے مشورے کو قبول کرتے ہوئے بچے کا دوبارہ نام محمد اختر رکھا۔ اللہ اس کی عمر دراز کرے۔ اور وہ اپنے اعلیٰ کردار و اخلاق سے اپنے نامور باپ کے نام کو دنیا میں روشن کرے۔ آمین!

(۶۱) خود آنے کے بجائے اسی تاریخ کو اور قریب قریب اسی وقت قاضی صاحب کی میّت آئی۔

(۶۲) " سرسیّد کی علمی خدمات " والے مقالے کا ذکر کر رہے ہیں جو "العلم" میں شائع ہوتا۔

(۶۳) افسوس کہ نہ زندہ رہے اور نہ "صحبت" باقی رہی؎

برفت آں نگلین خرم بہادے دریغے ماندو فریادے و دادے

(۶۴) کانفرنس اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کی سب کمیٹی کے جلسے میں جو ۹ اگست ۱۹۵۵ء کی شام کو ساڑھے پانچ بجے منعقد ہونے والا تھا اور جس میں شرکت کی میں نے دعوت خصوصی دی تھی۔

یہ بالکل آخری خط ۹ اگست کو قبل دوپہر ملا اور اس کے ایک گھنٹے بعد اطلاع پہنچی کہ قاضی صاحب اسی روز صبح کو حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ساڑھے چھے بجے شام حیدرآباد سندھ سے احاطۂ انجمن ترقی اردو کراچی میں میت کو لایا گیا۔ ریڈیو کے ذریعے اس حادثۂ جانکاہ کی خبر عام ہو چکی تھی۔ اس لیے احباب و اعزہ اور ہم وطنوں کی ایک کثیر جماعت نے تجہیز و تکفین میں حصہ لیا۔ ملک کے طول و عرض، بالخصوص کراچی و سندھ میں رنج و غم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ جگہ جگہ تعزیتی جلسے ہوئے اور اخبارات و رسائل نے تعزیتی شذرے لکھے۔

کاش قاضی صاحب کی ذاتِ گرامی سے یہ اظہارِ محبت ان کی زندگی میں کیا جاتا اور یا اس مظاہرۂ عقیدت کو آئندہ کچھ عملی استقلال ہی نصیب ہو جائے۔ ورنہ عام دستور

تو یہ ہے کہ

بہ زیرِ شاخِ گل افعی گزیدہ بلبل را
نوا گرانِ نخوردہ گزند را چہ خبر